

جاسوسی دنیا نمبر 88

پرنس وحشی

(مکمل ناول)

لئے کہانیوں میں Action کا قحط پڑ جاتا ہے اور پڑھنے والے سوچتے ہیں کہ فلاں کہانی کچھ ”پھیکی“ رہی۔

زیر نظر کہانی ”پرنس وحشی“ کو میں نے ہر اعتبار سے دلچسپ بنانے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ اس دوران میں علیل بھی رہا اور موسم کی سختیوں کا شکار بھی آپ جانتے ہیں کہ گرمیوں میں مجھ پر بے تحاشہ کھولت طاری ہوتی ہے کتابیں لیٹ ہوتی ہیں خطوط کے انبار لگ جاتے ہیں اور مجھے ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسے کتاب لیٹ نہیں ہوئی بلکہ مجھ سے کوئی بہت بڑا جرم سرزد ہو گیا ہے۔

بہر حال میں کوشش کر رہا ہوں کہ عمران کا خاص نمبر ”ڈیڑھ متوالے“ لیٹ نہ ہونے پائے دعا فرمائیے کہ آپ انتظار کی ”بوریت“ سے بچیں اور میری صحت ٹھیک رہے۔

ایضاً

۱۸ جون ۱۹۶۰ء

پیشرس

ایک بار کا ذکر ہے کہ انگریزی کے ایک مشہور مصنف ایڈگرویلز نے اپنے Fans کے ایک مجمع میں بڑے خلوص سے کہا۔ ”پچاس ناول لکھ لینے کے بعد مجھے ناول لکھنے کا سلیقہ ہوا ہے۔“

چھوٹے ہی ایک صاحبزادی نے فرمایا ”کاش! ایسا نہ ہوا ہوتا۔ اب تو آپ بور کرنے لگے ہیں۔ شروع کی کتابوں کا کیا کہنا۔ کاش آپ اپنے ماضی میں چھلانگ لگا سکیں!....“

تو جناب میرا بھی ارادہ ہے کہ میں بھی ماضی میں دوبارہ چھلانگ لگاؤں۔ کیونکہ ایڈگرویلز کو تو ایک نیم بالغ صاحبزادی نے یہ مشورہ دیا تھا یہاں دوسرا معاملہ ہے۔ اُس دن میں بہت شدت سے بور ہوا تھا جب ایک کالج کے پرنسپل صاحب سے کچھ اسی قسم کی گفتگو ہوئی تھی۔ کہنے لگے ”صفی صاحب کیا بات ہے پچھلی کتابوں کی کئی کئی بار پڑھنے کے باوجود بھی اُن کا نیا پین بڑھتا ہی رہتا ہے۔“

میں نے سوچا ٹھیک ہی ہے۔ فریدی صاحب کرئل ہو جانے کے بعد سے صرف احکامات چلایا کرتے ہیں! خود زیادہ دوڑ دھوپ نہیں کرتے اس

بچے کی چیخیں

وہ ۱۹۴۶ء کے دسمبر کی آٹھویں سرد ترین رات تھی۔ سارجنٹ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اسٹیرنگ سے ہاتھوں کا چھٹکارا اسی صورت میں ممکن ہوگا جب اُن پر گھنٹوں گرم پانی کی دھاریں گرائی جائیں! گرفت غیر قدرتی سی محسوس ہونے لگی تھی۔ دیر سے گردن پر کھلبلی ہو رہی تھی۔ لیکن اسٹیرنگ کیسے چھوٹا چھوٹا تو دوبارہ اُسے گرفت میں لینے کیلئے کتنی جدوجہد کرنی پڑتی۔ کیڈی ہوا سے باتیں کرتی رہی تھی اور حمید کا ٹھٹھرا ہوا ذہن اس سے بھی زیادہ تیز رفتاری دکھا رہا تھا۔

اُس وقت اس کے لئے وہ تار جام والی سڑک نہیں بلکہ سوئزر لینڈ کی کوئی عجیب سی پہاڑی سڑک تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اب راہ میں کوئی موٹیل نظر آئے جہاں رک کر وہ آتش دان کے سامنے بیچ کا ایک گلاس ختم کرے گا۔ پھر پائپ ہوگا اور ”پرنس ہنری“ تمباکو کا فرحت بخش دھواں.... موٹیل کی مالکہ اپنی جواں سال اور خوب روڑکی کے ساتھ اس کے کمرے میں داخل ہو کر ”شام بخیر“ کہے گی.... اور وہ پائپ دانتوں میں دبائے ہوئے گردن اُکڑا کر خالص ایرسٹو کرٹیک انداز میں صرف ”ٹائٹ“ کہہ کر متحیرانہ پلکیں جھپکائے گا اور وہ بڑی لجاجت سے کہے گی۔ ”میری روڑکی جناب.... مجھے افسوس ہے.... یہ کہہ رہی تھی کہ اس نے کبھی کوئی ہندوستانی نواب نہیں دیکھا.... جج.... جی ہاں.... جناب....!“

اور وہ روڑکی بڑے دلاؤ دیز انداز میں مسکرائے گی اور پھر یک بیک چوک پڑے گی.... اور اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی جائیں گی۔ بہوت ہو جائے گی.... پلکیں جھپکنا اور پتلیاں جنبش کرنا ترک کر دیں گی.... تب اُس کی ماں اُسے جھنجھوڑے گی.... ”لو سی! لو سی۔“

اور لو سی پلکیں جھپکائے یا پتلیوں کو جنبش دینے بغیر آہستہ سے کہے گی۔

”ایڈگر.... ایڈگر.... میرے پیارے.... آہ تم مجھے کیوں پریشان کر رہے ہو.... کہہ دو

کہ تم ایڈگر ہو۔ یہ جھوٹ ہے کہ تم لیڈیا کے محاذ پر کام آئے تھے....!“

”لو سی.... لو سی....!“ وہ اُسے پھر جھنجھوڑے گی.... اور حمید سے معافی مانگتی ہوئی روڑکی کو دروازے کی طرف دھکیل لے جائے گی۔

”پانی.... پانی....!“ پچھلی سیٹ سے بھرائی ہوئی آواز آئی اور حسین خیالوں کا تاج محل ریت کی دیواروں کی طرح ڈھیر ہو گیا۔ حمید نے کیڈی کی رفتار کم کر کے اُسے سڑک کے کنارے لگاتے ہوئے بالآخر انجن بھی بند کر دیا.... اور انڈر روڈنی کر کے پچھلی سیٹ کی طرف مڑا۔

فریدی کا چہرہ بخار کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا۔ لیکن آنکھیں کسی تکلیف کے احساس سے عاری نظر آتی تھیں۔

”پانی نہیں.... کافی.... کیا ڈاکٹر کی ہدایت بھول گئے۔“

”لاؤ....!“ فریدی نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں.... لیکن حمید نے پھر تھرماس اٹھانے سے پہلے اُس کے جسم کے کھلے ہوئے حصوں کو کھیل سے اچھی طرح ڈھانک دینا مناسب سمجھا۔

”کیا وقت ہے....!“ فریدی نے آنکھیں کھولے بغیر پوچھا۔

”ساڑھے گیارہ....!“

”ٹھیک سو ابارہ پر تمہیں لینڈس کسٹری پہلی چوکی کے قریب رکنا ہے۔“

”میں بھولا نہیں ہوں۔“ حمید نے بڑا سامنے بنایا.... اور تھرماس سے کافی انڈیل کر اُس کی طرف بڑھا دی۔

فریدی کھیل بھیک کر سیدھا بیٹھتا ہوا بڑبڑایا۔ ”یہ بخار بھی بڑی شاندار چیز ہے کیوں؟“

”بشرطیکہ کسی روڑکی کے اظہار عشق کی وجہ سے نہ چڑھ آیا ہو....“ حمید کا لہجہ زہریلا تھا۔

چند لمبے خاموش رہ کر اُسے کافی کی چمکیاں لیتے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”منع کر رہا تھا کہ راجروپ نگر میں قیام نہ کیجئے۔“

”کیا مطلب....؟“

”میں تسلیم نہیں کر سکتا کہ محترمہ غزالہ نے آپ کو دیکھ کر ٹھنڈی سانسیں نہ بھری ہوں۔“

”یکواس مت کرو....!“

”کرافٹ۔ اینگ نے ایک کیس نقل کیا ہے، اپنے کسی مضمون میں۔“ حمید لا پرواہی سے

سکا فریدی صدر دروازے کے قریب نظر آیا۔

حمید نے ٹھنڈی سانس لی تھی اور پھر کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ ضرورت ہی کیا تھی کہ وہ اُس کے باہر نکل جانے کا منظر بھی دیکھتا.... ڈیڑھ بجے رات سے پہلے فریدی کی واپسی نہیں ہوئی تھی.... پھر ڈھائی بجے تک حمید اُسے بور کرتا رہا تھا۔ لیکن اُس نے اچانک اس طرح غائب ہو جانے کی وجہ نہیں بتائی تھی۔

پھر نصیر آباد سے راج روپ مگر دو دن نواب رشید الزمان کے محل میں قیام رہا تھا.... وہیں فریدی کو بخار نے بھی آدلوچا.... لیکن اس کے باوجود بھی حمید کو اس کے حکم کے مطابق موجود سفر اختیار کرنا پڑا تھا.... رواں گی کے وقت بخار کی شدت کی وجہ سے بار بار غفلت طاری ہو جاتی تھی مگر جب بھی ہوش آتا.... حمید کے کانوں میں یہی جملہ گونجتا تھا ”ہم پہلی چوکی کی طرف جا رہے ہیں یا نہیں۔“

”کیا پہلی چوکی پر پہنچ کر بخار اتر جائے گا....“ حمید نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

”ہو سکتا ہے....!“ فریدی نے کافی کا خالی کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ وہ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا.... دفعتاً چونک کر کھائی کی گھڑی دیکھی اور مضطربانہ انداز میں بولا۔ ”جلو جلدی کرو.... دس پانچ منٹ پہلے ہی پہنچنا چاہئے۔“

”کیا آبکاری کا کوئی قصہ ہے....!“ حمید نے پھر اُسے ٹٹولنے کی کوشش کی۔

”آبکاری.... ہشت ان چھوٹے چھوٹے کاموں کے سلسلے میں چھٹیاں نہیں برباد کی جاتیں۔“

”تو پھر میری برباد کاری کا کوئی چرچہ ہوگا....!“ حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور کیڈی کا انجن

جاگ اٹھا۔

اور پھر شروع ہو گیا سفر....

”بخار ہے ابھی....!“ حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”انتاز زیادہ بھی نہیں ہے کہ تھوڑی سی دوڑ دھوپ گراں گذرے۔“

”کیا مطلب....!“

”ہم وہاں دعوت میں نہیں جا رہے.... لیکن تم فکر نہ کرو.... میرے سوٹ کیس میں

دوسرا یوٹو اور بھی موجود ہے۔“

بولے۔ ”ایک صاحب کا واقعہ ہے جنہیں ہر ہفتہ کی شب کو بخار ہو جاتا تھا اور پورا اتوار بخار ہی کی نذر ہو جاتا تھا.... دونوں شریف آدمیوں نے بخار کی وجہ کے لئے چھان بین شروع کی.... اور بالآخر چور پکڑ ہی لیا.... جانتے ہیں کیا قصہ تھا۔“

”بکے جاؤ....!“

”ہفتہ کی شب کو ایک لڑکی اُن سے اظہار عشق کی کوشش کیا کرتی تھی۔“

”ہوں.... مگر غزالہ تھی کہاں....!“

”نہیں تھی....؟“ حمید کا لہجہ متحیرانہ تھا۔

”نہیں.... وہ آج کل شہر ہی میں کہیں مقیم ہے.... صرف نواب صاحب سے ملاقات

ہوئی تھی۔“

”اودہ تب پھر آپ نے کسی دوسرے کو کسی سے اظہار عشق کرتے سنا ہوگا.... واللہ اعلم

بالصواب....!“

فریدی مسکرا پڑا.... پھر رسٹ وراج پر نظر ڈالی.... گیارہ بج کر پینتیس منٹ ہوئے تھے۔

”میرا خیال ہے کہ ہم کسٹنر کی پہلی چوکی سے زیادہ دور نہیں ہیں۔“

حمید نے صرف سر ہلا دیا۔ وہ بہت غور سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کی سمجھ میں

نہیں آرہا تھا کہ دو ماہ کی چھٹیاں کس قسم کی بھاگ دوڑ میں تباہ کی جا رہی ہیں۔

نصیر آباد سے راج روپ مگر.... اور راج روپ مگر سے پھر شہر کی طرف۔

پروگرام تھا کہ چھٹیوں کے دو ماہ نصیر آباد ہی میں گزارے جائیں جہاں اُن دنوں اُن سے

جان پہچان رکھنے والا ایک آدمی بھی نہیں پایا جاتا تھا.... متواتر کام کرتے رہنے کی وجہ سے کم از کم

حمید کو تو یہی محسوس ہونے لگا تھا جیسے اُس کا ذہن کچھ دنوں کے بعد مستقل طور پر ناکارہ ہو کر رہ

جائے گا۔ لہذا اُس نے دو ماہ آرام کرنے کی تجویز پیش کی تھی جو کسی نہ کسی طرح فریدی کے حلق

سے بھی اتر گئی.... لیکن نصیر آباد میں بمشکل تمام ایک ہی ہفتہ گذرا ہو گا کہ ایک رات ایڈلٹی کے

ڈائینگ ہال میں حمید کا ذہنی سکون رخصت ہو گیا۔

اُن کی میز پر ویٹر کھانا لگا رہا تھا کہ دفعتاً اُس نے فریدی کو اس انداز میں اٹھتے دیکھا جیسے کسی پر

چھٹ پڑنے کا ارادہ رکھتا ہو.... پھر قبل اس کے کہ کچھ پوچھنے کے لئے زبان کو جنبش بھی دے

گاڑی کی رفتار پہلے سے تیز ہو گئی۔۔۔۔۔ حد نظر تک سڑک ویران پڑی تھی کچھ دیر بعد فریدی بڑبڑایا۔۔۔۔۔ لیدر فیکٹری کی چنی نظر آنے لگی ہے میرا خیال ہے کہ گاڑی یہیں کہیں چھوڑ دی جائے۔“

”روک دوں۔۔۔۔۔!“

”نہیں۔۔۔۔۔ یہاں نہیں۔۔۔۔۔ فیکٹری کے قریب والے سہ راہ پر۔۔۔۔۔!“

کچھ دیر بعد گاڑی وہیں رکی جہاں کے لئے حمید کو ہدایت ملی تھی۔ فریدی نے گاڑی سے اترتے وقت ایک ریوالور اور کچھ فالٹور اوٹڈر حمید کے حوالے کئے۔

”اوہ۔۔۔۔۔ آپ کو اس وقت بھی خاصا بخار ہے۔۔۔۔۔!“ حمید نے کہہ اُس کا ہاتھ فریدی کے گرم ہاتھ سے مس ہوا تھا۔

”پرواہ مت کرو۔۔۔۔۔ اوہ یہ السٹر کیوں نکال رہے ہو۔۔۔۔۔ پڑا رہے دو۔“

”اور آپ۔۔۔۔۔!“

”میرے لئے بھی جیکٹ ہی کافی ہے۔“

”میں کہتا ہوں ایک سپوڈر۔۔۔۔۔!“

”خاموش رہو۔۔۔۔۔ آؤ۔۔۔۔۔!“ فریدی نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکادیا پھر خود ہی سنبھال بھی نہ لیتا تو میاں حمید منہ کے بل زمین ہی پر آئے ہوتے۔ کلائی پر اس کی گرفت مضبوط تھی۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ تپتے ہوئے لوہے کا پتھر ہو۔۔۔۔۔ کتنا تیز بخار تھا۔

کواریز کے قریب جا کر وہ ایک جگہ رک گئے۔ مختصر سی آبادی تھی جس کا تعلق لینڈ کسٹرز کی چوکی اور نیشنل لیدر فیکٹری سے تھا۔

فریدی نے گھڑی پر نظر ڈالی اور پھر چل پڑا۔

وہ بستی میں داخل ہو رہے تھے۔ فریدی پھر ٹھٹکا۔۔۔۔۔

”اوہ۔۔۔۔۔ یہ کیسی بستی ہے؟“

”کیوں۔۔۔۔۔؟“ حمید کے لہجے میں تحیر تھا۔

”کیا یہاں کتے نہیں ہیں۔۔۔۔۔ یہ سنا کتنا غیر فطری معلوم ہوتا ہے۔“

”مجھے انوس ہے۔۔۔۔۔!“ حمید بڑبڑایا۔ ”در اصل مجھ سے غلطی ہوئی۔“

”کیا مطلب۔۔۔۔۔!“

”اور میرا ماؤ تھ آرگن۔۔۔۔۔؟“ حمید نے بڑے بھولے پن سے پوچھا۔

”ساری شوخیاں رخصت ہو جائیں گی تھوڑی دیر بعد۔۔۔۔۔ میری دانست میں وہ کئی ہو گئے۔“

”جہنم میں جائیں۔۔۔۔۔!“ حمید نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

”نہیں۔۔۔۔۔ اب تمہیں کم از کم اتنا تو ذہن نشین کر ہی لینا چاہئے کہ ہم کس قسم کی پجوشن سے دوچار ہونے والے ہیں۔“

”ایسی جلدی بھی کیا ہے۔“ حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”بکواس مت کرو۔۔۔۔۔ سنو۔۔۔۔۔“ فریدی جھنجھٹا گیا۔ ”یہ شہد کی مکھی والی کہانی ہے۔“

”خدا عزت کرے۔۔۔۔۔!“ حمید کی آواز بخار زدہ ہی معلوم ہوئی اور فریدی نے قہقہہ لگایا۔

پھر فوراً ہی سنجیدگی اختیار کر کے بولا۔ ”آج سے چھ ماہ قبل تم نے اُسے میرا وہم سمجھا تھا لیکن اب میں تمہیں بہت کچھ دکھاؤں گا۔“

”مم۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔ اُس رات وہاں ایڈلفی میں۔۔۔۔۔!“

”وہاں۔۔۔۔۔ پھر شہد کی مکھی میرے سامنے آئی تھی۔۔۔۔۔!“

”کس طرح۔۔۔۔۔!“

”میزوں کے درمیان تھرکنے والی لڑکی نے ایک چھوٹا سا کارڈ ایک میز پر پھینکا تھا اتفاق سے اُسکی وہی سطح اوپر کی طرف تھی جس پر شہد کی مکھی کی تصویر ہوتی ہے۔۔۔۔۔ کارڈ تم پہلے بھی دیکھ چکے ہو۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر آپ اُن کارڈوں کو اتنی اہمیت کیوں دیتے ہیں۔ میں اُن کے متعلق پوری طرح چھان بین کر چکا ہوں۔۔۔۔۔ وہ سٹامپو کرشرز لینڈ کا تجارتی نشان ہے۔ یہ

فرم اعلیٰ پیمانے پر جنگلوں سے شہد اکٹھا کرتی ہے۔۔۔۔۔ صدر دفتر اپنے شہر ہی میں موجود ہے۔“

”ہوں ختم کرو۔۔۔۔۔!“ فریدی نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی۔ ”تفصیل پھر بتاؤ گا وقت

نہیں ہے۔ رفتار بڑھاؤ۔۔۔۔۔ بس مجھے اتنا ہی کہنا تھا کہ کسی سے ہمارا کراؤ بھی ہو سکتا ہے۔“

”کس سلسلے میں۔۔۔۔۔!“

”پہلی چوکی کے قریب والے کواریز میں سے ایک کے کمین اس وقت خطرے میں ہیں

کیوں خطرے میں ہیں؟ یہ مجھے بھی فی الحال نہیں معلوم۔۔۔۔۔ میں نے کہا تھا رفتار بڑھاؤ۔“

”اوہ۔۔۔۔۔ کان کھلے رکھا کرو۔“

”مجھے چاہئے تھا کہ روانگی سے قبل یہاں کے کتوں کو ایک خط لکھ دیتا۔“

”شش.... آؤ....!“ فریدی نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا اور ایک بار پھر ریڈیم ڈائسل والی گھڑی پر نظر ڈالی.... معینہ وقت پورا ہونے میں صرف دو منٹ باقی تھے۔

قدم تیزی سے اٹھنے لگے.... بستی سنان اور تاریک پڑی تھی۔ حمید خود بھی متحیر تھا کہ آخر بستی کے کتے کہاں جا رہے۔

تھوڑے تھوڑے وقفے سے گیدڑوں کی صدائیں آئیں۔ لیکن کتوں کی آواز کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔

ایک کوارٹر کے قریب پہنچ کر رک گیا اور آہستہ سے بولا۔ ”بلاک کی شروعات پر جو نمبر میں نے ذہن میں رکھا تھا اُس کے اعتبار سے اسے اٹھارواں ہی کوارٹر ہونا چاہئے۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ دفعتاً اندر سے کسی شیر خوار بچے کے چنگھاڑنے کی آواز آئی۔

”اودہ غلط جگہ آگئے شائد....!“ فریدی بڑبڑایا اور پھر جب سے پنسل مارچ نکالی اور روشنی کی لکیر دروازے کے اوپری حصے پر پڑی تھی.... کوارٹر اٹھارواں ہی ثابت ہوا.... نمبر صاف پڑھے جاسکتے تھے۔

اندر بچہ اب بھی روئے جا رہا تھا۔

”آپ کسی قسم کی غلط فہمی میں تو مبتلا نہیں....!“ حمید نے سرگوشی کی۔

”دھوکا بھی ہو سکتا ہے.... ممکن ہے انہیں علم ہو گیا ہو کہ میں اُن کے پیچھے ہوں۔“

”لہذا انہوں نے آپ کو بہکا دیا.... کیوں؟“

”ہاں.... اس کے بھی امکانات ہیں۔“

”سمجھ میں نہیں آتا.... آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“

”چپ چاپ کھڑے رہو.... فائر کرنے کے لئے ہر لمحہ تیار....!“

حمید بھر دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اندر بچہ اب خاموش ہو گیا تھا۔

”کیا حیات ہے....!“ فریدی کچھ دیر بعد بڑبڑایا۔ ”اگر یہ صرف دھوکا تھا تب بھی اب تک کچھ نہ کچھ ہو ہی رہنا چاہئے تھا۔“

”جب تک مجھے پوری بات نہ معلوم ہو جائے.... میں کیا عرض کر سکوں گا۔“ حمید جھنجھلا

کر بولا۔

”خاموش رہو....!“ فریدی نے مضطربانہ انداز میں کہا پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”اچھا تم

اودہ کا خیال رکھنا.... میں مکان کی پشت پر جا رہا ہوں۔“

”ہوں....!“ حمید نے غلاء میں گھورتے ہوئے ہونٹ بھیج لئے۔

وہ فریدی کے دھندلے سائے کو دیوار سے لگ کر دوسری طرف کھٹکتے دیکھتا رہا.... ریوالور کا

سردستہ اُس کی پھیلی سے چپک کر رہ گیا تھا۔

دفعتاً اُسے فریدی کی پنسل مارچ کی روشنی زمین پر پڑی ہوئی کسی کالی سی شے پر نظر آئی۔

پھر مارچ بچھا کر وہ بڑی تیزی سے حمید کی جانب واپس آیا تھا۔

”میرا خیال ہے کہ یہاں کچھ ہو چکا ہے....!“ اُس نے سرگوشی کی۔ ”ممکن ہے اسی کوارٹر

میں.... اودہ....!“

شیر خوار بچے کی چیخوں نے اُسے جلد پورا نہ کرنے دیا۔

حمید جو بچہ کے جوتے سے داہنی پنڈلی کھجانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دفعتاً توازن قائم نہ رکھ

سکے کی بناء پر لڑکھڑایا لیکن سہارے کیلئے دروازے پر ہاتھ رکھتے ہی بالکل بے سہارا ہو گیا۔ کیونکہ

ہاتھ کا دباؤ پڑتے ہی دونوں پٹ کھل گئے تھے۔

پھر جتنی دیر میں فریدی اُسے سنبھالنے کے لئے آگے بڑھتا اُس کی پیشانی کوارٹر کے فرش

سے ٹکرائی گئی۔

خود سے اٹھ بیٹھنا کم از کم ایسی صورت میں تو آسان نہیں ہو تا جب اس طرح غیر متوقع طور

پر گرنا پڑے.... فریدی ہی نے بچھٹ کر اُسے اٹھایا تھا۔

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ سامنے برآمدہ تھا اور شائد اُس برآمدے کے بعد کمرہ ہی تھا.... کمرے

کے دروازے بھی کھلے ہی ہوئے نظر آئے۔ اندر غالباً کیروسین لیپ روشن تھا۔

حمید کے گرنے اور دروازہ کھلنے سے خاصی تیز آواز پیدا ہوئی تھی۔ لیکن اُس کوارٹر کے

رہنے والے گویا مردوں سے شرط باندھ کر سوئے تھے.... شیر خوار بچہ اب بھی روئے جا رہا تھا۔

فریدی اور حمید اب صحن کے وسط میں تھے۔

بچہ پھر خاموش ہو گیا.... لیکن اس بار اُس کی آواز کے علاوہ کوئی دوسری آواز نہیں سنائی

میر کا حلقہ ہوا ہو..... بدقت اس نے خود کو سنبھالا اور گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔ ”آپ کون ہیں.....!“

”سُہم بوڈی فرام انٹلی جنس بیور یو.....!“ حید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر کرسی میں ڈھیر ہو گیا۔

کچھ دیر اسی طرح بے حس و حرکت پڑا رہا پھر اٹھ کر دروازے کی طرف بھاگا۔

”ٹھہرو.....!“ حید نے اونچی آواز میں کہا لیکن وہ تو دروازے سے گذر چکا تھا۔

پھر جتنی دیر میں وہ بھی باہر نکلا ڈیوٹی کلرک اندھیرے میں گم ہو چکا تھا۔

دو چہرے اسی بوکھلائے ہوئے اندر داخل ہوئے اور حید کو دیکھ کر ٹھٹھک گئے۔

”پولیس.....!“ حید انہیں گھورتا ہوا بولا۔

”مم..... مگر باپو جی..... سیس..... سرکار.....!“ ایک چہرہ اسی ہکا کر رہ گیا۔

”کیا یہ فیجر تھا.....!“ حید نے پوچھا۔

”نہیں ایک بابو.....!“

”کہاں رہتا ہے.....!“

”کواریٹروں میں.....!“

”نمبر.....!“

”اتھارہ.....!“

”اوہ.....!“ حید نے کہا اور دفتر سے باہر نکل آیا۔

اس کے پاس مارچ بھی نہیں تھی۔ اس لئے بستی تک جلد نہ پہنچ سکا۔ اب کواریٹر نمبر اتھارہ

کے سامنے خاصی بھیڑ نظر آئی۔ کئی لوگوں کے ہاتھوں میں لالٹینیں بھی تھیں..... اندر کوئی

دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا..... غالباً اس کی چیخیں ہی وہاں بھیڑ اکٹھا کرنے کا باعث بنی تھیں۔

حید اندر داخل ہوا..... کواریٹر میں کئی لالٹینیں نظر آئیں۔ لیکن فریدی اور لیڈر فیکٹری کے

کلرک کے علاوہ اور کوئی نظر نہ آیا..... وہ صحن کے فرش پر لوٹیں لگتا ہوا اندری طرح دھاڑیں مار رہا تھا۔

فریدی کمرے میں کیر و سینسین لپ سنبھالے مختلف چیزوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

جیسے ہی حید اس کے قریب پہنچا اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ ”مقتولہ کے شوہر کو

دی تھی۔

سردی کے مارے حید کا نہ حال تھا اس لئے اسے موجودہ پوزیشن سے ذرہ برابر بھی دلچسپی

نہیں رہ گئی تھی..... بس کسی مشین ہی کی طرح اب تک فریدی کی تقلید کرتا رہا تھا۔

فریدی کو آگے بڑھتے دیکھ کر خود بھی آگے بڑھا۔

لیکن کمرے کا منظر..... حید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کی گردن شانوں سے اکھاڑ

کر کہیں دور پھینک دی ہو۔

خون میں لتھڑا پچ اپنی انگلیاں چوس رہا تھا..... اور وہ لاش غالباً اس کی ماں ہی کی تھی۔ بستر

خون سے تر تھا۔

ایک بیک بچہ پھر چنگھانے لگا..... اس کی انگلیاں منہ سے نکل گئی تھیں۔

حید نے فریدی کی طرف دیکھا جو ساکت و صامت کھڑا اپنے کو گھورے جا رہا تھا۔ بلکیں

بھپکائے بغیر..... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی آنکھیں پتھر آگئی ہوں۔

دفتر اتھارہ حید کی طرف مڑ کر بولا۔ ”لیڈر فیکٹری سے فون کرو..... جاؤ.....!“

تصویر

لیڈر فیکٹری کی رات والی شفٹ چل رہی تھی حید سیدھا آفس میں چلا گیا..... اتنی رات

گئے کسی اجنبی کو فون کے قریب دیکھ کر ڈیوٹی کلرک متحیر ہوا تھا۔

حید نے شہر کی کو توالی کے نمبر ڈائیل کئے اور اس حادثہ کی اطلاع دیتے ہوئے جیسے ہی کواریٹر

نمبر کا حوالہ دیا ڈیوٹی کلرک اس طرح اچھل پڑا گویا کسی نے پیٹری میں پست پر خنجر مارا ہو۔

”جی..... کیا کیا..... کواریٹر نمبر.....!“ وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

”اتھارہ.....!“ حید نے ریسور رکھتے ہوئے اسے گھورا.....

”کہاں کی بات کر رہے ہیں.....!“

”کسٹمر کواریٹرز.....!“

”نہیں.....!“ وہ بے تحاشہ چیخا..... اس کا جسم اس طرح کانپ رہا تھا جیسے اچانک شدید ترین

سنجھا لو۔۔۔!

”بچہ کہاں ہے؟“ حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”پڑوس میں۔۔۔!“ فریدی نے کہا اور پھر جھنجھلا کر بولا۔ ”جاؤ نا۔۔۔!“

حمید چپ چاپ صحن میں آگیا۔ لیکن اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مقولہ کے شوہر کو کس طرح سنبھالے۔۔۔ اُسے قطعی احساس نہیں رہا تھا کہ وہ ایک پولیس آفیسر ہے۔

پھر جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو یونہی خواہ خواہ صدر دروازے سے جا لگا۔۔۔ باہر کچھ لوگ نچی آوازوں میں گفتگو کر رہے تھے۔

”ارے۔۔۔! یہ نہیں دیکھا تم نے۔۔۔ چار کتے تو نیم کے پیچھے ہی مرے پڑے ہیں۔“

”کیا انہیں زہر دیا گیا ہو گا؟“ کسی نے پوچھا۔

”اور کیا۔۔۔؟ دیکھو۔۔۔ غور کرو۔۔۔ ایک کتے کی بھی آواز نہیں سائی دیتی۔۔۔ ایک کو

بھی زندہ نہیں چھوڑا۔۔۔!“

”اُف فوہ۔۔۔ کس بُری طرح بھونکتے تھے اگر کوئی راہ گیر ادھر سے نکل جاتا تھا۔۔۔ سوتا

دشوار کر دیتے تھے۔“

”آپ لوگ براہ کرم اپنے گھروں میں جائیے۔۔۔!“ حمید نے دروازے سے سر نکال کر

اوپچی آواز میں کہا اور دروازہ بند کر دیا۔

اُسے ہوش نہیں تھا کہ وہاں اس طرح کھڑے رہ کر اُس نے کتنا وقت گزارا تھا۔۔۔ پھر

پولیس کاروں کے ہارن سے تھے سنانے میں ہلکا سا شور کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔۔۔ کسی فلم کے

بدلتے ہوئے مناظر۔۔۔ میند کے دباؤ اور سردی کی زیادتی کی وجہ سے ذہن گویا پتھر کی سیل بن کر

رہ گیا تھا۔

وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔۔۔ اندھیرے میں کو تو ابلی انچارج انسپکٹر جگدیش بھی اُسے نظر

انداز ہی کر گیا تھا ورنہ اُس کی وجہ سے کچھ دیر تو زبان ہلائی ہی پڑتی۔

اُسے نہیں معلوم کہ پولیس کی آمد پر کیا ہوا تھا۔۔۔ واپسی میں اُس کی بجائے جگدیش کا

اسٹنٹ کیڈی ڈرائیور کر رہا تھا۔

اُسے پچھلی سیٹ پر بیٹھنا پڑا تھا تاکہ فریدی کی دیکھ بھال کر سکے۔۔۔ فریدی کا جسم اب کچھ

اسی طرح تپ رہا تھا جیسے لوہے کا کوئی بہت بڑا ٹکڑا بجھتی سے نکال کر ٹھنڈا ہونے کیلئے ڈال دیا گیا ہو۔

ذہنی کیفیت سرسائی سی تھی۔ لیکن باتیں ہوش کی تھیں۔۔۔ ابھی تک زبان سے کوئی ایسا

جملہ نہیں نکلا تھا جو موجودہ جوشن سے متعلق نہ ہو نا۔ لیکن اُس سے پہلے کبھی حمید نے اُسے بڑی

بڑی قسمیں کھاتے نہیں سنا تھا۔۔۔ اور اسی بناء پر اس نے اندازہ لگایا تھا کہ ذہن قابو میں نہیں ہے۔

کیڈی کچھ دیر بعد پولیس ہسپتال کی کیاؤنڈ میں رکی۔۔۔ چار۔ بچنے والے تھے۔ فریدی کو

پرائیویٹ وارڈ کے ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ انسپکٹر جگدیش حمید کا ہاتھ پکڑے اُسے میٹرن کے

کمرے کی طرف لے جا رہا تھا۔

”مجھے تو تمہاری حالت بھی بہتر نہیں معلوم ہوتی۔۔۔!“ جگدیش کہہ رہا تھا۔

”تم ہی کچھ بتاؤ کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا۔۔۔ اور تم وہاں کیسے جا پہنچے تھے۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ حالانکہ اُسے اس شدت سے غصہ آتا چاہئے تھا کہ جگدیش کے منہ پر الٹا

ہاتھ رسید کر دیتا۔

میٹرن کے کمرے میں دو نرسٹیں جن کی ڈیوٹی ختم ہونے والی تھی بیٹھی کافی پی رہی تھیں

انسپکٹر جگدیش کو دیکھ کر کھڑی ہو گئیں۔

”بیٹھے بیٹھے۔۔۔!“ جگدیش نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”کافی اورت ہے۔۔۔!“

”بہت جناب۔۔۔!“ ایک نے مسکرا کر جواب دیا۔ ”تشریف رکھئے۔“

دوسری حمید کو اس طرح گھور رہی تھی جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔

حمید نے پتہ نہیں کس طرح ایک کپ کافی طلق سے اتاری۔ وہ جلد از جلد فریدی کے پاس

پہنچنا چاہتا تھا۔

جگدیش نے پھر اُسے ٹٹونا چاہا۔۔۔ لیکن اس بار حمید بڑی طرح جھلا گیا۔

”کو اس بند کرو۔۔۔ میں کچھ نہیں جانتا۔“ اُس نے کہنا غالباً کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ میٹرن

کمرے میں داخل ہوئی۔

”اوہ۔۔۔ انسپکٹر۔۔۔!“ اُس نے جگدیش کو مخاطب کیا۔ ”سردی کا شدید ترین اثر۔۔۔ حالت

بہتر نہیں ہے۔۔۔ ایسی حالت میں مریض کو یہاں لانے کی بجائے کوٹھی ہی پر طبی امداد طلب کی

جانی چاہئے تھی۔“

”جی... جی...!“ نرس چوک پڑی۔ ”کچھ نہیں...!“

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے نادانگی میں اُس سے کوئی غیر مناسب حرکت سرزد ہوئی ہو اور فکر ہو کہ کسی طرح اس کا زوالہ ہو جائے۔

”آپ اٹھادیں کوارٹر کے حوالہ پر کچھ۔“ حید نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
اور وہ اسی چھوڑ دیا۔

”نہیں... قطعی نہیں... نہیں تو جناب بھلا میں کیوں۔“ وہ زبردستی ہنستی رہا۔
”واہ... ٹھیک ہی سنا تھا... آپ کے بارے میں۔ بس جس کے پیچھے پڑ جائیں۔“

حید نے جلدیش کی طرف دیکھا جو چمکیں چمکائے بغیر نرس کو گھورے جا رہا تھا۔ پھر وہ تیزی سے میٹرن کی طرف مڑا۔ ”بھئی سنئے... میں انسپکٹر تک جلد از جلد پہنچنا چاہتا ہوں۔“
”پانچ منٹ اور انتظار کیجئے۔“ میٹرن نے جواب دیا۔ اور دوسری نرس سے بولی۔ ”کافی اور ہو تو مجھے بھی دو۔“

حید نے سسکوں کی نظریں بچا کر جلدیش کو اشارہ کیا کہ وہ کمرے سے چلا جائے۔
میٹرن کافی پینے میں محو تھی اور دوسری نرس غالباً اس فکر میں تھی کہ بیئر پر کچھ مزید پانی بھی رکھ دے۔

حید اسی نرس کی جانب متوجہ رہا جس سے کوارٹر نمبر اٹھارہ کے متعلق گفتگو ہوئی تھی۔
لیکن وہ خلاء میں گھورے جا رہی تھی۔

باہر کھڑی میں جلدیش کا چہرہ نظر آیا۔ غالباً وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ برآمدے میں بھی اُس کی موجودگی ضروری ہے یا نہیں۔

حید نے اُسے رکنے کا اشارہ کیا اور خود بھی باہر آئے۔ لی حالت کافی سنبھل گئی تھی اور ذہن کسی بھی مسئلے سے الجھنے کے لئے تیار تھا۔

”اس پر کڑی نظر رکھو۔“ اس نے جلدیش۔ ”اگر اپنے گھر جائے تو وہاں بھی باہر تمہارے کسی آدمی کی موجودگی ضروری ہے۔“

”ہوں... اؤں...!“ جلدیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کووارٹر نمبر اٹھارہ سے متعلق وہ ضرور کوئی خاص بات جانتی ہے... میں دیکھوں گا... رجنی نام ہے۔“

”فریدی صاحب سفر میں تھے۔“ جلدیش بولا۔

”آپ غالباً سار جٹ حید ہیں...!“ اُس نے حید کی طرف دیکھ کر کہا۔ دونوں نرسیں ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑائی تھیں اور ایک نے جھپٹ کر حید کیلئے دوسرا کپ تیار کیا تھا۔
”شکریہ...!“ حید اُس کے ہاتھ سے کپ لیتا ہوا زبردستی مسکرایا۔

”آپ محتاط رہئے جناب...!“ میٹرن اُس سے بولی۔ ”موسم بڑا اہیات جا رہا ہے۔“

”فریدی صاحب کی حالت زیادہ تشویش ناک تو نہیں...!“

”سرسام... آپ خود اندازہ کر سکیں گے۔“

”مجھے جانا چاہئے۔“ حید خالی کپ میز پر رکھتا ہوا بڑبڑایا۔

”پندرہ منٹ سے پہلے آپ نہیں مل سکیں گے جناب۔“ میٹرن نے کھائی کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

دونوں نرسیں حید کے قریب آکھڑی ہوئیں۔ وہ پانیپ میں تباہی بھرنے لگا تھا۔ پھر جب وہ لائٹر کے لئے جیسیں ٹٹولنے لگا تو ان میں سے ایک مینٹل پیس کی طرف جھپٹی اور دوسری نے کہا۔ ”دیاسالائی حاضر ہے جناب۔“

”بہت بہت شکریہ...!“ حید شائد پہلی بار اُن کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ جلدیش میٹرن سے گفتگو کر رہا تھا۔ وہ اُسے بتا رہا تھا کہ کس طرح اُسے اس وقت ایک بڑی دردناک نچویشن سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

یک بیک ایک نرس کسٹمز کوارٹر کے نام پر چوکی۔

”کن کوارٹر زکاتہ کرہ ہے جناب۔“ اُس نے پوچھا۔

”نیشنل لیڈر فیکٹری کے قریب والے...!“

”کیا...؟“ وہ بُری طرح بوکھلا گئی۔

حید نے جلدیش کو اشارہ کیا کہ اب وہ خاموش رہے اور خود نرس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”اٹھارواں کووارٹر...!“

”اوہ... اوہ...!“ وہ اپنی پیشانی رگڑتی ہوئی کرسی میں ڈھیر ہو گئی۔

”کیوں...؟“ حید کا لہجہ اس بار کھردرا تھا۔

حمید پر انیویٹ وارڈ کی طرف بڑھ گیا۔ فریدی کے کمرے میں ایک نرس موجود تھی۔ حمید نے دروازے میں قدم رکھتے ہی فریدی کی بڑبڑاہٹ سنی۔ لیکن یہ کہنا محال تھا کہ وہ نرس سے مخاطب ہے، یونہی بڑبڑا رہا ہے۔

آنکھیں چھت سے لگی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ذرے سے پلکیں نہ جھپکی ہوں۔ حمید بہ آہستگی بستر کے قریب پہنچا۔

فریدی کہہ رہا تھا۔ ”درندگی... اودہ... وہ تنہا سا بچہ... اپنے اُس بڑے خنارے سے ناواقف جس کے لئے وہ زندگی بھر روتے گا۔“ پھر بے متوجہ ہو گیا۔ کیا آدی سے زیادہ وحشی جانور بھی تو نے پیدا کئے ہوں گے۔ میں پھر جسم کھاتا ہوں۔ ان میں سے ایک ایک کا سر کچل دوں گا۔ نرس پانی...“

پھر اس نے حمید کی طرف گردن گھمائی تھی اور اُسے اس طرح گھوڑ رہا تھا جیسے اُس دردناک قتل میں اُس کا بھی ہاتھ رہا ہو۔

”گٹ آؤٹ...“ وہ ایک بیک دھاڑا۔

”او کے...“ حمید نے سلیوٹ کرتے ہوئے انداز میں ہاتھ اٹھایا اور تیزی سے دروازے کی طرف مڑ گیا۔ نرس نے بھی اُسے اشارہ کیا تھا کہ وہ چلا ہی جائے۔

کیفیت سراسرائی ہے۔ حمید نے سوچا لیکن زبان سے نکلنے والے الفاظ مفہوم رکھتے تھے۔ انہیں آئینل یا بے جوڑ نہیں کہا جاسکتا۔ تو گویا... یہ آدی... بیہوشی کے عالم میں بھی عجیب ہی ثابت ہوا ہے۔

غیر متوقع طور پر راستے میں جلد لیش سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔

”کیوں...“ حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

”وہ بیہوش ہو گئی ہے...“ جلد لیش نے کہا۔

”کیسے...“

”اُس کا وینٹی بیک سامنے والی نیمز پر رکھا ہوا تھا۔ دوسری نرس نے میٹرن کے لئے کافی بنائی تھی نیپالی...“

”نہیں...“ حمید نے وینٹی بیک ایک طرف ہٹانا چاہا تھا۔ دفعتاً جینی بوکھلائے ہوئے انداز میں کہتی اٹھی۔

”نہیں...“ ”نہیں...“ اور چار قدم چل کر ڈھیر ہو گئی۔

”زہر...!“

”نہیں... بس بیہوشی...“ چہرہ پیسے سے بھیگا ہوا تھا۔

”ہوں... تم نے وینٹی بیک تو چیک کیا ہی ہو گا۔“

”اب... ابھی تو نہیں...!“

”او...!“ حمید تیزی سے آگے بڑھتا ہوا بولا۔

بیہوش رجنی کو اسٹرپچر پر لٹا کر باہر لے جایا جا رہا تھا۔ حمید کی نظر سب سے پہلے وینٹی بیک ہی پر پڑی۔ وہ اب بھی میز پر ہی تھا۔ یہاں شاید کسی نے اُس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔

”کیا آپ یہیں تشریف رکھیں گے...“ میٹرن نے دروازے میں رک کر پوچھا۔

”جی...!“ حمید نے اُس کی طرف مڑے بغیر جواب دیا۔

اب ان دونوں کے علاوہ کمرے میں اور کوئی نہیں تھا۔ حمید نے وینٹی بیک اٹھایا۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا تھا۔

”کیا ہوا...!“ جلد لیش نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

”ساڑھے گیارہ روپے...“ حمید نے گھٹی گھٹی سی آواز میں جواب دیا۔

”میں نہیں سمجھا۔“

”اُس بیک میں صرف ساڑھے گیارہ روپے ہیں۔“

”پھر...؟“ جلد لیش نے احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

”میں کیا بتاؤں۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”ساڑھے گیارہ روپے کی اہمیت...“

”نہیں... میرے بس سے باہر ہے... میں کسی بٹے کی اولاد نہیں...!“

”پھر چوٹ کی تم نے...!“ جلد لیش جھنجھلا گیا۔ حمید اُس کی طرف دھیان دیئے بغیر بیک کے دوسرے خانوں کا جائزہ لینے لگا۔

”جلد لیش اُسے بدستور گھورے جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد حمید نے سیٹی بجانے کے لئے انداز میں ہونٹ بکوڑے اور آنکھوں سے جلد لیش کی طرف دیکھا اور پھر پوری طرح متوجہ ہو کر بولا۔

”فریدی صاحبہ بیہوش نہیں ہیں۔“

”ذرا لپک کر پوچھنا تو کہ تین بنا چار کی چوٹا کی کیا بنانے۔“

”کیا مطلب...!“

اور وہ چیز تلاش کر رہی ہوگی جس کے لئے اُس نے دشمنی بیک میں ہاتھ لگانے سے منع کیا تھا.... منع کیا تھا.... اودہ.... وہ بیک بیک اچھل کر کھڑا ہو گیا.... ایک خیال تیزی سے اُس کے ذہن میں آیا تھا.... ہوش آنے پر تو وہ خود ہی دوڑی آتی.... کسی دوسرے سے بیک تنگوانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا.... تو پھر کیا وہ دھوکا تھا....؟ کوئی تیسری پارٹی بھی اس بیک میں دلچسپی لے سکتی ہے.... کیا اور کوئی اُسے اڑالے گیا۔

حمید تیزی سے اٹھا لیکن ابھی دروازے کی طرف مڑا بھی نہیں تھا کہ خود رجنی مجبوظ الحواس لوگوں کے سے انداز میں کمرے میں داخل ہوئی۔

”میرا بیک....!“ وہ حلق پھاڑ کر چیخی.... اور پھر دروازے کی طرف مڑی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس نے حمید کی طرف دیکھا ہی نہ ہو۔

اب وہ میٹرن سے مخاطب تھی۔ ”میرا بیک.... میرا بیک....!“

”یہاں میز پر ایک دشمنی بیک موجود تھا۔“ حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

”پھر.... وہ کہاں گیا....!“ رجنی وحشیانہ انداز میں چیخی۔

”کچھ دیر ہوئی ایک میل نرس تمہارے حوالے سے اٹھالے گیا۔ اُس نے کہا کہ رجنی کو ہوش آگیا ہے.... اپنا دشمنی بیک مانگ رہی ہے.... بس وہ لے گیا۔“

”یہ جھوٹ ہے....!“ رجنی میٹرن کی طرف مڑی۔ ”کھلا ہوا جھوٹ۔“

”ہاں.... یہ تو ابھی ہوش میں آئی ہے۔“ میٹرن تشکرانہ انداز میں بولی پھر چونک کر پوچھا۔

”تم اُس کے لئے پریشان کیوں ہو۔ اُس میں کیا تھا.... کوئی بڑی رقم....!“

”رقم.... نہیں.... تہ.... تصویر....“ وہ شراہیوں کے سے انداز میں جھکولے لیتی ہوئی بولی۔ ”بچاؤ.... مجھے بچاؤ سار جنت پلینز....“ بیہوشی کا دوسرا حملہ۔

دوسری چوٹ

حمید ایک بار پھر فریدی کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔

”ہمارے نجی اشارے ہیں۔“ حمید نے بے حد سنجیدگی سے جواب دیا۔ ”جلدی کرو۔“

”تین بنا چار کی چو تھائی....!“ جلد لیش ذہن نشین کرنے کے سے انداز میں بڑبڑایا۔ ”اچھا“

اور پھر وہ دروازے کی جانب مڑ گیا۔

حمید کھڑکی سے دیکھتا رہا۔ جب وہ سانے والی عمارت کے موڑ پر نظروں سے اوجھل ہو گیا تو اُس نے دشمنی بیک سے ایک پیکٹ نکالا اور اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔

پھر دشمنی بیک کو بھی دوبارہ اُس کی اصل جگہ پر پہنچانے میں دیر نہیں لگائی۔

چند لمحوں بعد وہ آرام کرسی میں پڑا ہوا پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔

دھندلکے پرافت کی سرخیوں کی چھوٹ پڑنے لگی تھی۔ پائپ سلگانے سے پہلے اُس نے ایک طویل انگڑائی لی۔

باہر برآمدے میں کھڑکی کے قریب ایک چہرہ نظر آیا.... لیکن وہ انسپکٹر جلد لیش نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ کھڑکی سے ہٹ کر دروازے کے قریب آگیا۔ کوئی میل نرس معلوم ہوتا تھا۔ غالباً ڈیوٹی ہی پر تھا ورنہ جسم پر ایپرن کیوں ہوتا۔

”رجنی کا دشمنی بیک یہی ہے نا....؟“ اُس نے دشمنی بیک کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

”پتہ نہیں....!“ حمید نے شانوں کو جنبش دی۔

”وہ ہوش میں آگئی ہے....!“ اُس نے کہا اور بیک سنبھال کر کمرے سے نکل گیا۔

حمید کی آنکھیں نیند سے بو جھل ہوئی جاری تھیں۔ لیکن اُس نے سو رہنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ کیونکہ اب وہ اپنی حرکت کا رد عمل دیکھنا چاہتا تھا۔ ایک ساتھ دوپانے پیچھے تھے ایک تفریحی تھا اور دوسرا کام کا۔ مگر تفریحی کیوں؟ کام ہی کے سلسلے میں تو وہ تفریح ہاتھ آئی تھی۔ یعنی

جلد لیش کی موجودگی میں وہ اُس دشمنی بیک پر ہاتھ نہیں صاف کرنا چاہتا تھا۔

اُس نے سوچا.... ”تین بنا چار کی چو تھائی۔“ فریدی کو فارسی بولنے پر مجبور کر دے گی.... پھر جلد لیش پر جو کچھ بھی گذرے.... یقینی طور پر اُس کی حجامت بن گئی ہوگی.... حمید بے ساختہ

مسکرا پڑا۔

پھر اُس کا ذہن بیہوش رجنی کی طرف منتقل ہو گیا۔ اب اُس نے اپنا دشمنی بیک کھولا ہو گا....

صبح کی پہلی کرنیں عمارت کی بالائی منزلوں پر رینگنے لگی تھیں۔
 برآمدے میں پہنچ کر حمید نے رفتار کم کر دی۔ اتنی احتیاط سے قدم اٹھا رہا تھا کہ بیروں کی
 چاپ قریب سے بھی نہ سنی جاسکتی۔
 کمرے کا دروازہ بند تھا اور اندر سے آواز آرہی تھی۔ "تمیں بنا چار کی چوتھائی... تمیں بنا چار
 کی چوتھائی... تمیں بنا چار کی چوتھائی۔"
 جلد لیش کی آواز پہچان لینے کے بعد حمید بدقت تمام اپنا قبضہ روک سکا۔ یہ نہیں اُس پر کیا
 گذری کہ وہ "تمیں بنا چار کی چوتھائی۔" کا وظیفہ اتنی تیزی سے کہنے جا رہا تھا۔
 اُس نے ایک انگلی سے دروازے پر آہستہ آہستہ دستک دی۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا اور نرس
 کا سر باہر نکل آیا۔
 "اوہ... سار جنٹ... پلیز... کسی طرح انشپٹر کی جان بچائیے۔" نرس نے آہستہ سے کہا۔
 "کیا مطلب....؟" حمید چونک کر اُسے گھورنے لگا۔
 "وہ شاید آپ ہی کا کوئی پیغام لائے تھے۔ فریدی صاحب کو غصہ آگیا۔ بولے کہ دیواری
 طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ اور جب تک مجھ سے کوئی جواب نہ ملے بلند آواز میں پیغام
 دہراتے رہو۔"
 حمید بے ساختہ ہنس پڑا لیکن نرس اُسے اس طرح گھورنے لگی جیسے اُس کی ذہنی صحت مندی
 پر بھی شبہ کر رہی ہو۔
 "مجھے اندر جانے دو۔۔۔۔۔" حمید نے سنجیدگی اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
 "جی نہیں۔۔۔ معافی چاہتی ہوں جناب انہوں نے کہا ہے کہ اب کسی کو بھی اندر نہ آنے دوں۔"
 "تو پھر جلد لیش کیسے باہر آئے گا۔"
 "دیکھئے میں پھر کوشش کرتی ہوں۔۔۔۔۔" نرس نے کہا اور سر اندر کھینچ کر پھر دروازہ بند کر لیا۔
 کچھ دیر بعد دروازہ پھر کھلا اور چشم زدن میں بند ہو گیا۔ جلد لیش حمید کے قریب کھڑا ہاپ رہا
 تھا۔ ایسا لگا جیسے اُسے کمرے سے دھکیل کر دروازہ بند کیا گیا ہو۔
 "کیا ہوا....؟" حمید نے بڑی صفائی سے قبضہ ضبط کیا۔
 جلد لیش نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ بس ہانپتا اور خواہ مخواہ مسکراتا رہا۔ جھپٹی ہوئی

مسکراہٹ بار بار ہونٹوں پر نظر آتی اور اس طرح غائب ہو جاتی جیسے کسی آٹومیک کنٹرول کی رہیں
 مت ہو۔۔۔۔۔ پھر یک بیک وہ بالکل سنجیدہ نظر آنے لگا۔
 "کیا بات ہے.... تم بولتے کیوں نہیں۔"
 "انسپکٹر صاحب کی ذہنی حالت....؟" جلد لیش نے چیخ ہو نٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔
 "اوہ تو کیا.... وہ اب بھی سر سام کے زیر اثر ہیں۔"
 "خدا جانے.... لیکن اوہ تم خود سوچو.... میں نے تمہارا پیغام اُن تک پہنچانے سے
 پہلے نرس سے پوچھ لیا تھا.... اُس نے بتایا کہ وہ ہوش میں ہیں اُن سے گفتگو کی جاسکے گی۔۔۔۔۔ میں
 نے تمہارا پیغام پہنچایا بس ایک دم بھڑک اٹھے.... کہنے لگے دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے
 ہو جاؤ اور اس وقت تک پیغام دہراتے رہو جب تک کہ میں کوئی جواب نہ دوں۔۔۔۔۔ پوچھ گھنٹہ
 ہو گیا.... اب بتاؤ۔"
 حمید کے چہرے پر بھی تشویش کے آثار نظر آئے.... وہ پھر دروازے کی طرف بڑھا اور
 دستک دی۔
 "وضع ہو جاؤ۔" اندر سے فریدی کی غراہٹ سنائی دی۔ "چلے جاؤ ورنہ جان سے مار دوں گا۔"
 حمید پھر نیچے ہٹ آیا۔
 "بب.... بچاری.... نرس....؟" جلد لیش ہکھلایا۔
 "کیوں.... نرس کو کیا ہوا۔۔۔۔۔!"
 "دم نکلا جا رہا ہے غریب کا.... مگر ڈیوٹی.... ڈیوٹی ہے۔"
 "بیوٹی۔" حمید نے بائیں آنکھ دہائی.... پھر یک بیک سنبھل کر بولا۔ "چلو.... رجی پھر
 بیہوش ہو گئی ہے۔"
 ساتھ ہی اُسے بعد کی کہانی بھی دہرائی پڑی۔
 "مم.... مگر.... دیشی بیک میں تو کوئی ایسی خاص چیز بھی نہیں تھی۔" جلد لیش نے کہا۔
 "خدا جانے....!" حمید لا پرواہی سے بولا۔ وہ میٹرن کے کمرے کے قریب پہنچ چکے تھے۔
 کمرہ خالی نظر آیا.... برآمدے میں ایک ٹڈواکف نے بتایا کہ وہ لوگ بیہوش رجی کو آپریشن
 تھیز کی طرف لے گئے ہیں اور اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔

لے وہاں نہ ٹھہر سکا۔ بھوک خنید اور جیب میں پڑے ہوئے پیکٹ نے اُسے کو ٹھکی کی راہ لینے پر مجبور کر ہی دیا۔ سب سے زیادہ اضطراب پیکٹ نے متعلق تھا۔... آخر کیا تھا اس میں؟
بھوک کی شدت نے اُسے آر لکھو کی کمپانڈ میں رکنے پر مجبور کر دیا۔

کیڈی سے اُتر اور سیدھا انگواڑی کیمین کی طرف چلا گیا۔ فون پر پولیس ہسپتال کے نمبر رنگ کئے۔ فریدی اور رجنی کے متعلق تازہ ترین اطلاعات چاہتا تھا۔

رجنی اب بھی بیہوش تھی اور فریدی کا بخار ہلکا تھا لیکن ذہنی کیفیت اعتدال پر نہیں آئی تھی۔ حید نے ریسیور رکھ کر ایک طویل سانس لی اور ڈانٹنگ ہال کی طرف چل پڑا۔

بھوک کی شدت میں اکثر پہلا ہی نوالہ ذہن پر کچھ ایسے ناگوار اثرات مرتب کرتا ہے کہ کھانے سے توبہ ہی کرتے بن پڑتی ہے۔... حید نے بھی سلائس رکھ دیا اور فی الحال صرف چائے پر ٹالنے کی کوشش کی۔... وہ جانتا تھا کہ شام دن میں سونا بھی نصیب نہ ہو۔ اس لئے معدے کو جتنا ہلکا رکھا جائے اتنا ہی بہتر ہوگا۔

چائے کی دو پیالیاں حلق میں انڈیل کر اُس نے کوٹ کی اندرونی جیب ٹٹولی۔
کہاں دیکھا جائے اسے؟... اُس نے سوچا۔ گھر تک پہنچنے میں تقریباً بیس منٹ صرف ہوتے۔... اور یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ آر لکھو سے نکلے ہی وہ گھر کی طرف روانہ ہو جاتا۔
تھوڑی دیر تمباکو نوشی کے بعد وہ اٹھا اور سیدھا غسل خانوں والی لائین کی طرف چلا گیا۔... تصویر۔... کیسی تصویر ہوگی۔... وہ سوچ رہا تھا۔

باتھ روم کا دروازہ بہت احتیاط سے بند کیا۔... سوچ آج کر کے بلب روشن کیا۔... اور جیب سے پیکٹ نکال کر متفکرانہ انداز میں اُسے الٹا پلٹتا رہا۔... پھر فیتہ کھولنے لگا۔

”اوہ۔...!“ اُس کے ہونٹوں نے تنگ سادارہ بنایا۔... تصویر۔...؟ مگر تصویر کیوں؟

وہ تو درجنوں تصویریں تھیں۔... مختلف افراد کی۔

عورتیں۔... مرد اور بچے۔... بہترے کارڈوں پر صرف مناظر تھے ایک بھی ایسی۔... دکھائی دی جسے وہ کسی قسم کی اہمیت دے سکا۔

پیکٹ دوبارہ باندھ کر جیب میں ٹھونبنا ہوا باتھ روم سے نکل آیا۔ اُس کے ہونٹوں کے کھنچاؤ سے تیز ادنیٰ مترشح تھی۔ پھر گھر پہنچے پہنچے اُسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے پچیس منٹ ہو گئی

حید نے تیزی سے قدم بڑھائے اور پھر دوڑنے لگا۔ وہ آپریشن تھیٹر کی طرف جا رہا تھا۔
”ٹھہرو تو۔... سنو تو سہی۔“ جگدیش نے آواز دی لیکن رکتا تو درکنار حید نے مڑ کر دیکھا
نہیں۔

آپریشن تھیٹر والے برآمدے میں میٹرن سے مڈ بھیڑ ہوئی۔
”اوہ سار جٹ۔... خدا اُسے زندہ رکھے میرا خیال ہے کہ برین کی کوئی رگ پھٹ گئی ہے۔“
میٹرن نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ ”وہ بہت زیادہ مضطرب نظر آ رہی تھی۔“
”پھر۔...!“

”ڈاکٹر جرنی اُسے دیکھ رہے ہیں۔“

”آپریشن۔...!“

”فوری طور پر ناممکن ہے۔“

حید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اُس نے جیب میں پڑے ہوئے سخت سے پیکٹ کو ٹٹولا اور پھر جگدیش کو گھورنے لگا۔

”کتنے میل نرس اس وقت ڈیوٹی پر ہیں۔...“ تھوڑی دیر بعد اُس نے میٹرن سے پوچھا۔

”رجسٹر دیکھ کر بتا سکوں گی۔“

ایک گھنٹے کے اندر اندر وہ تمام میل نرس بھی طلب کر لئے گئے جو رات کی ڈیوٹی ختم کر کے اپنے کوارٹرز میں آرام کر رہے تھے۔... لیکن حید کو وہ آدمی نہ مل سکا جو رجنی کا دشمنی بیک تے گیا تھا۔

پھر وہ پیکٹ حید کے ذہن میں بری طرح چبھنے لگا۔... اُس کا اندازہ تھا کہ اُس میں کچھ رنگین لفافے اور تصاویر ہیں۔... جن کے گوشے پھٹے ہوئے پیکٹ سے جھانکتے نظر آتے تھے۔

فریدی کا رویہ سمجھ سے باہر تھا۔ وہ فیصلہ نہ کر سکا کہ اسے کیا سمجھا جائے۔

اب تو بھوک اور خنید کی وجہ سے حالت غیر ہونے لگی تھی۔... اُس نے سوچا کھسک ہی جانا چاہئے۔... لیکن فریدی۔... اور رجنی تو اب بھی بیہوش پڑی تھی۔

ماہرین کی رائے تھی کہ فوری طور پر آپریشن خطرناک ثابت ہوگا۔ اس لئے وہ آپریشن تھیٹر سے باہر نہ لائی گئی۔

کچھ دیر بعد فریدی پر بھی ماہرین کی ایک ٹیم جھک پڑی۔... لیکن حید اُن کا فیصلہ سننے کے

اسی لئے نکالی گئی تھی کہ وہ سڑک سے جانے کی بجائے مختصر ترین راستہ اختیار کریں۔ لیکن منزل
بمقصد تک پہنچنے سے قبل ہی سورج غروب ہو گیا۔

”کیا مصیبت ہے۔“ کچھ دیر بعد حمید بڑبڑایا۔ ”کیا تم راستہ بھٹک گئے ہیں؟“
”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔“
”سوچ رہے ہو۔“ وہ اوپری ٹونٹ بھیج کر بولا۔ ”اور یہ جیت تمہارے خیالات کی پابند ہے؟“
”یار سمجھ میں نہیں آتا کہ تم جیسے لوگ اس جگہ کارخ کیوں کرتے ہیں۔“

”اے تو مجھے کیوں کھانے دوڑتے ہو؟ اس سٹرنگ تمہارے ہاتھ میں ہے یا میرے؟“
”غلط جا رہے تھے تو نوکنا چاہئے تھا مادھوجی۔“
”اتنے عقلمند آدمی کو نوکنا بھی حماقت ہے۔“ جگدیش بھی شاید تقریباً ایک سوڑ میں تھا۔

”ایڈیٹ۔۔۔۔۔“ حمید ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑایا۔ پھر بھلا کر بولا۔ ”پتہ نہیں ہم کدھر
جا رہے ہیں۔“
”میرا خیال ہے کہ لیدر فیکٹری دور۔ نہیں ہے۔ جب کیا تم ایک خاص قسم کی بو نہیں محسوس
کر رہے۔۔۔۔۔“

”اتنی تیز بول رکھنے والوں کے گلے میں پتہ نظر آتا ہے اور وہ باندھ کر رکھے جاتے ہیں۔“ حمید
نے جلتے جلتے لہجے میں کہا۔
”فکر نہ کرو۔۔۔۔۔ اس راستے پر گاڑی لگائے رکھو۔۔۔۔۔ پہنچیں گے ضرور۔“ جگدیش اُس کی
بھلاہٹ سے لطف انداز ہو رہا تھا۔

راستہ کچا تھا جس پر بتل گاڑیوں کے پھیوں کے گہرے نشانات تھے اور دونوں طرف اونچی
اونچی کھائیوں پر سرکندے کی جھاڑیاں تھیں۔

دفعاً بائیں جانب سے کسی سیاہ سی چیز نے جیب پر چھلاگ لگائی اور ٹھیک پچھلی نشست پر
آئی۔۔۔۔۔ اور دو فولادی پیچھے اُن دونوں کے گردنوں میں پوسٹ ہو گئے۔
”گاڑی روکو۔۔۔۔۔“ پتہ نہیں آدمی کی آواز تھی یا کسی چپتے کی غراہٹ۔۔۔۔۔ حمید نے یگانگت
گاڑی روک دی۔ لیکن انجن نہیں بند کیا۔

پھر ٹیک بیک اُس نے دیکھا کہ جگدیش اپنی سیٹ سے اچھل کر دائیں جانب والی جھاڑیوں میں

ہوں۔ آنکھوں میں شدید جسم کی جلن موجود تھی۔
چار بجے شام تک اُس کی خواب گاہ میں خرابے گونجتے رہے اور خرابے بھی ایسے کہ دروازہ

پٹنے جانے کا شور بھی اُن میں مدغم ہو کر رہ جاتا۔ بھلا پھر آنکھ کیسے کھلتی۔ ملازمیوں کو ذاتوں پسند
آگیا تھا اور جگدیش اُن کے پرسوں پر مسلط تھا۔ بدقت تمام حمید جاگا۔ اور اچھی طرح ہوش
آنے سے پہلے ہی اُس نے رجنی کی موت کی خبر سنی۔ آپریشن ہو جانے کے بعد ڈاکٹر مطمئن
تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ خطرے سے باہر تھی۔ آپریشن کامیاب ہوا تھا۔ لیکن اچانک تین بجے
بیہوشی ہی کی حالت میں اُسے خون کی پتے ہوئی اور پھر اُس نے دم توڑ دیا۔

”تین ماہرین اس پر مشق ہیں کہ حقیقتاً اُس کی موت کسی قسم کے رہ رہے واقع ہوئی ہے۔“
جگدیش نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”میں نہیں سمجھا۔“ حمید نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔
”آپریشن کے بعد ہی زہر انجکٹ کیا گیا تھا۔۔۔۔۔“

”پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ہے؟“ حمید نے پوچھا۔
”نہیں۔۔۔۔۔ ابھی پوسٹ مارٹم نہیں ہوا۔ لیکن زہر کی ساری علامات موجود ہیں۔“

”ہوں۔۔۔۔۔“ حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔ جگدیش اُسے اپنے ساتھ باہر لے جانا چاہتا تھا۔
کسٹمز کو اپرٹز کے اٹھارویں مکان تک جہاں پچھلی رات ایک دردناک قتل ہوا تھا۔

تھوڑی سی دیر بعد اُن کی جیب سڑک پر نظر آئی۔
”کیا رجنی کی موت۔۔۔۔۔“ جگدیش نے کچھ کہنا چاہا لیکن حمید نے جملہ پورا نہ کرنے دیا۔

”میری سنو۔۔۔۔۔“ وہ سانسے نظر جمائے ہوئے بولا۔ ”فریدی صاحب اب کس حال میں ہیں۔“
”وہ ابھی تک مجھے نہیں پہچان سکے۔“ جگدیش نے طویل سانس لی۔

”بخار۔۔۔۔۔“
”بخار قطعی نہیں ہے۔۔۔۔۔“
”میں نہیں سمجھ سکتا۔ کیا چکر ہے۔۔۔۔۔“ حمید بڑبڑایا۔ ”پچھلی رات تو میری ساری کیفیت کے

دوران میں بنڈیاں بھی بے ربط نہیں تھا۔ اب کیا ہوا۔“
جگدیش کچھ نہ بولا۔ جیب پر نسل کے علاقے میں فرائے بھر رہی تھی۔ اس وقت جیب غائب

جیب کی پشت پر پہنچ کر اُس نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑیں۔ اسٹیرنگ پر ایک گھڑ سا نظر آیا۔ بے حس و حرکت۔ البتہ گہری گہری سانسوں کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ پھر جیب سے سگریٹ لائٹر نکالنا پڑا۔۔۔ کیونکہ جھوٹی نارج اس اچھل کود کے دوران کہیں گر گئی تھی۔

حمید اسٹیرنگ پر ڈھیر تھا۔۔۔ اُس نے اُسے ہلا جلا کر آوازیں دیں۔۔۔
حمید نے سر اٹھایا۔۔۔ آنکھیں حلقوں سے اُلی پڑ رہی تھیں۔۔۔ انگاروں کی طرح دکتی ہوئی۔
”مجھے ہسپتال لے چلو۔۔۔!“ اُس نے کہہ۔
”اُس نے کیا کیا۔۔۔ کیا۔۔۔؟“

”بکومت۔۔۔!“ حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔ ”اسٹیرنگ کر دو۔۔۔!“
”کہاں۔۔۔ چلو گے۔“
”جہنم میں۔۔۔!“ حمید آگے پیچھے جھولتا ہوا بولا۔ ”کیونکہ وہاں والد صاحب سے ملاقات نہ ہو سکے گی۔ بہت مذہبی آدمی ہیں۔۔۔!“
”گوارڈ نمبر اٹھادہ۔۔۔!“

”دس آٹھ۔۔۔ اٹھادہ۔۔۔ دس نو انیس۔۔۔ دس دہائیں۔۔۔ دہائیں۔۔۔ دہائیں۔۔۔!“
اُس کی گردن پشت گاہ پر ڈھلک گئی۔۔۔ بیہوش ہو چکا تھا۔

واپسی

جلد لیش بُری طرح بوکھلا گیا تھا۔ مشکل تمام اُس نے حمید کو پچھلی سیٹ پر ڈالا اور لائٹر جلا کر بیہوشی کی وجہ دریافت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کامیابی کیونکر ہوتی۔۔۔ گردن پر زخم تو نہیں تھے۔ ایک بار پھر اُسے پولیس ہسپتال کا رخ کرنا پڑا۔۔۔ یہ اور بات ہے کہ کپاؤنڈ میں داخل ہوتے ہی حمید پوری طرح ہوش میں آگیا ہو۔

”کہاں لے آئے۔۔۔!“ اُس نے کہنی کے بل اٹھتے ہوئے پوچھا۔
”ہسپتال۔۔۔!“ جلد لیش خوش ہو کر بولا۔

جاگرا۔

”خبر دار۔۔۔ جہاں ہو دیں ٹھہرو۔“ میرے ہاتھ میں ریوالور ہے۔۔۔ اور اُس کا رخ تمہاری ہی طرف ہے۔“ غراہٹ نما آواز پھر حمید کے کانوں سے نکرانی غالباً حملہ آور نے جلد لیش کو مخاطب کیا تھا۔ اُس کا دانا ہاتھ تو اب بھی حمید کی گردن ہی پر تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے فولادی انگلیاں گوشت اور ہڈیوں کو چیدتی ہوئی گردن کی ہڈی تک پہنچ جائیں گی۔
دوسری طرف جلد لیش سوچ رہا تھا خود اُس کے ہولسٹر میں ریوالور تو موجود ہے۔۔۔ لیکن وہ کرے گا کیا؟۔۔۔ اگر فائر کرے تو ہو سکتا ہے کہ حمید ہی کے گولی لگ جائے۔۔۔ اندھیرے میں دونوں کے درمیان فرق کرنا بڑا مشکل کام تھا۔

پھر یک بیک وہ مجسم جھلاہٹ بن گیا۔ بُری طرح تازہ آیا حملہ آور پر کیونکہ اُس نے اُسے ایک ہلکے ہلکے بچے کی طرح جیب سے اچھال کر پھینکا تھا۔ اگر وہ ذرہ برابر بھی مزاحمت کرتا تو اُس وقت شاید گردن شانوں پر موجود نہ ہوتی۔ حملہ آور کی گرفت اتنی ہی مضبوط تھی۔
ادھر حمید نے چاہا تھا کہ اسٹیرنگ سے ہاتھ ہٹائے دفعتاً حملہ آور غرایا۔

”نہیں۔۔۔ دونوں ہاتھ اسٹیرنگ پر رکھو۔۔۔ ورنہ ختم ہی کر دوں گا۔“
ساتھ ہی گردن پر اُس کی گرفت کچھ اور تنگ ہو گئی۔ حمید نے محسوس کیا کہ اُس کی دھمکی غلط نہیں ہو سکتی۔ دم گھٹ جانے میں کوئی کسر باقی نہ رہے گی۔“
پھر اُس کی کوٹ کی اندرونی جیب میں تصویروں کا پیکٹ اس طرح غائب ہو گیا جیسے خود اُسی کے پر لگ گئے ہوں۔

دائیں جانب کی جھاریوں میں زوردار قسم کی کھڑکھڑاہٹ ہوئی۔ حملہ آور ایک ہی جست میں اوپر پہنچ کر غائب ہو چکا تھا۔

حمید کاسر اسٹیرنگ سے اس طرح لگرایا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔ کپٹیاں سنسنار ہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اب وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہی نہ ہو سکے گا۔ پتہ نہیں اُس گرفت نے کون سی رگیں بھیجنے والی تھیں۔۔۔

دوسری طرف جلد لیش ان حالات سے بے خبر زمین سے چپکا ہوا کسی تیندوے کی طرح آہستہ آہستہ کھائی سے نیچے اتر رہا تھا۔

جلد نمبر 29

33

پرس وشی

چھڑتی ہے تو ہائے.... ارے میں تو پچھلے سال بھی ساڑھے تین مہینے تک اس پر عاشق رہا تھا۔“

”یار تمہارے عشق میری کچھ میں نہیں آتے۔“

”اپنے ہی کب آتے ہیں! تم کہتے ہو کہ تمہیں اپنی سالی سے عشق ہے....!“

”کیا کہتے ہو....!“ جلد لیش جھنجھلا گیا۔

”اچھا تو پھر.... مجھے ہی ہو گا۔“

”گھڑی سے نیچے پھیک دوں گا۔“

”کوشش کرو.... اور اپنی سالی کا دل تو زدو.... اُف فوہ.... یہ سالی بھی کیا چیز ہوتی ہے۔“

”مہر تو سالی بتاتا ہوں....؟ مگر ایک بات ہے پیارے.... سالی اگر کالی نہ ہو تو اُسے سالی

سمجھنے کو جی نہیں چاہتا.... سالی.... کالی.... گالی.... اور اُس کے بعد مولانا حالی

بجے سر پہ طبلہ تو پیچھے سے اُٹکے“

”جیب میں یو اے ل بھی تھی کیا....؟“ جلد لیش نے حیرت سے کہا۔ ”نٹے میں ہو؟“

”کسی کی بھی سالی ہو میرے لئے بے حد نشہ آور ہوتی ہے.... اس لئے دو چار سالیوں کے

پتے لکھو اورو.... اپنی یا پرانی کی قید نہیں۔“

”حمید بھائی اب پٹ جاؤ گے۔“

اور حمید نے سوچ میں آکر انگلیش ٹون میں گانا شروع کر دیا۔

”میلی رولن.... میلی رولن....!“

کتاب ہیز اے ڈرائی بون

میلی رولن.... ای او ای.... ای او ای

میں دکھیا کتے سے بھی بدتر....

کچھ مجھے اک ادا اس خچر

دہاٹ آہیر نیو بیو شوٹن

فاری رولن

ای او ای.... ای او ای.... ای او ای

جلد لیش قہقہہ لگاتا رہا۔ حمید اُن ناخوشگوار اثرات سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا جو پچھلی رات سے

جھگڑے ہو.... نیا گرائے چلو.... آج وہاں کا کھیرے ہے۔“

”کیا مصیبت ہے....“ جلد لیش ہونٹوں میں بڑبڑایا۔

”کھیرے مصیبت ہے.... کیوں....؟“ حمید غرایا۔

”ابھی تو مر رہے تھے.... اور اب کھیرے....!“ جلد لیش جھنجھلا گیا۔

”چلو مڈنی پلاؤں گا.... بھوک کھل جائے گی....“ حمید نے نرم لہجے میں کہا۔

”گلدھے ہو.... مجھے انکسٹر صاحب کی فکر ہے۔“

”کسی پاگل کی فکر میں مرے تو اگلے جہنم میں پاگل کتابا دیئے جاؤ گے۔“

”تمہیں پرواہ نہیں ہے۔“

”مجھے ایسے آدمیوں سے ذرہ برابر دلچسپی نہیں جو سرسام کی حالت میں ڈھنگ کی باتیں

کریں اور نارمل کنڈیشن میں کانٹے دوڑیں۔“

”چلو.... کم از کم.... خیریت تو دریافت ہی کر لیں۔“ جلد لیش نے نرمی سے کہا۔ کھیرے

کے نام پر خود اُس کے دل میں بھی گدگدیاں سی ہوا تھی۔ تھیں.... تھیں خیریت بھی دریافت

ہو گئی.... اور ایسی کہ حمید بائیں ٹانگ پر ناچ کر رہ گیا۔

”ڈیوٹی ڈاکٹر نے بتایا۔“ وہ سرشام ہی گھر چلے گئے.... بالکل ٹھیک تھے۔ ہم نے ٹیکسی منگوانی

چاہی تھی.... لیکن انہوں نے کہا ضرورت نہیں.... ٹھہلا ہوا نکل جاؤں گا۔“

”ساتم نے....!“ حمید نے اتنی اونچی آواز میں کہا جیسے جلد لیش بہرہ ہو۔

اور پھر وہ سچ نیا گرہ کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ دونوں کی گردنیں بری طرح دکھ رہی

تھیں۔ جلد لیش کو حملہ آور پر پھر تاؤ آ گیا تھا اور حمید سوچ رہا تھا کہ آخر کار پیکٹ ہاتھ سے نکل ہی

گیا.... رجنی کی موت اور نمبر اٹھارہ کے قتل کا تعلق کسی حد تک واضح ہو ہی گیا تھا۔

”آخر حملہ آور تھا کون....؟“ مقصد کیا تھا....!“ دفعتاً جلد لیش نے پوچھا۔

”ہمارا ایک بہت بڑا بھروسہ ہمیں ان الجھیروں سے نجات دلانا چاہتا تھا۔ مگر بد نصیبی کہیں بھی

ساتھ نہیں چھوڑتی.... ایسی بھی کیا سخت جانی.... اُف فوہ! خیر مالو.... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا

کہ یہ ایسٹنی پارٹی بڑی شاندار ہے.... پچھلے سال بھی آئی تھی۔ اس میں ایک لڑکی میلی رولن

ہے.... آرکسٹرا کے ساتھ گاتی ہے.... جب والٹر کی موسیقی پر کوئی اسٹار لائٹ سیرے نید

ہے.... فوراً کوٹھی پہنچئے۔“

”اچھی بات ہے۔“ جلدیش نے طویل سانس لی۔ ”جاؤ بھئی۔ میں ٹیکسی سے آ جاؤں گا۔“

”کیا....؟“ حمید نے آنکھیں نکالیں.... ”تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ یعنی تم یہاں عیش کرو گے.... اور میں....!“

”آہستہ بولو یا....!“ جلدیش چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”بب بات دراصل یہ ہے کہ

..... یعنی کہ....!“

”ایلیٹ....“ حمید مسکرایا۔ ”میں دس عدد آنکھیں رکھتا ہوں۔ مجھے علم ہے کہ یہاں تمہیں کچھ دیر پہلے نظر آئی تھی۔“

”مارڈالا....!“ جلدیش کے حلق سے کراہی نکلی۔

”اور وہ اس وقت اپنے انگل کی بجائے کسی ایسے آدمی کے ساتھ تھی جسے تم کینہ توڑ نظروں سے دیکھتے ہو۔“

”اس لئے مجھ پر رحم کرو۔“ جلدیش کھکھکیا۔

”ہوں....!“ حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”اچھی بات ہے! لیکن یاد رہے کہ تم

آج رات کے واقعہ کا تذکرہ کسی سے بھی نہیں کرو گے۔“

”نہیں پیارے بھائی ہرگز نہیں....“ جلدیش احتفانہ انداز میں چپکا۔ ”مجھے تو اٹھا کر مہیک دیا

تھا سالے نے.... یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔“

”جاؤ.... لتا حافظ....!“ حمید تیزی سے پورچ کی طرف مڑ گیا۔

جیب جو آندھی اور طوفان کی طرح شہر کی جانب روانہ ہوئی تھی ٹھیک سولہویں منٹ پر کوٹھی کی کپڑاؤں میں نظر آئی۔

فریدی بیرونی برآمدے ہی میں ملا اور اوپر کوٹ میں تھا۔ سر کی پشت پر جی ہوئی فلٹ سے

ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ابھی ابھی باہر سے واپس آیا ہے۔

”تمہارا چہرہ اترا ہوا ہے....“ فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

”ٹٹو سے نہیں جیب سے اترا ہے.... اس لئے فکر نہ کیجئے۔“ حمید نے لا پرواہی سے کہا۔

”بیٹھ جاؤ....!“ فریدی نے سامنے والی آرام کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

اس وقت تک اُس کے ذہن پر مرتسم ہوتے رہے تھے۔

نیگرہ کے ڈائینگ ہال میں تل رکھنے کی بھی جگہ نہ دکھائی دی۔

یہاں کی میزوں کی بنگ دن ہی دن ہو جاتی تھی.... اور خصوصیت سے جب کوئی اسٹیش پروگرام ہو تب تو تین چار دن پہلے بنگ کرائے بغیر مناسب جگہ نہیں ملتی تھی۔

انکوڑی بوتھ ہی سے انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ کسرے ڈنر میں جگہ نہ مل سکے گی۔

جلدیش نے اس ناگاہی پر طنز آکھا ”واقعی بڑے باثر آدمی ہو....!“

اور حمید کو باقاعدہ طور پر تاؤ آگیا.... کہنے لگا۔ ”اچھا ٹھہر دو دیکھو.... اثر بھی دیکھو.... بتاؤ

کہاں بیٹھو گے۔“

”فرنٹ رو....!“

”یہیں ٹھہر دو....!“ کہتا ہوا وہ اُس راہداری میں مڑ گیا جہاں منیجر کا کمرہ تھا۔

جلدیش نے نر اسامہ بنا کر سر کو جنبش دی اور بوتھ کے کاؤنٹر سے کمر لگا کر کھڑا ہو گیا۔

تقریباً دس منٹ بعد حمید کی واپسی ہوئی۔ لیکن موڈ بہت زیادہ خراب معلوم ہو رہا تھا۔

”کیوں کیا ہوا....؟“ جلدیش کے ہونٹوں پر طزیہ سی مسکراہٹ نظر آئی۔

”ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا لیکن اب کچھ نہ کچھ ضرور ہو جائے گا۔“

”منیجر پر رعب نہیں پڑا شاید....!“

”خدا کی قسم شدت سے بور ہوں.... بکو اس مت کرو۔“

جلدیش نے لا پرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور حمید کے پیچھے چلا رہا۔ لیکن جب وہ باہر

جانے لگا تو جلدیش نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ ”ٹھہر دو.... اب میں تمہیں دکھانا چاہتا ہوں کہ

میں کتنا بے اثر ہوں۔“

”خود ہی دیکھو....!“ حمید جھلا کر مڑا۔ ”مجھے تو ملک الموت نے آواز دی ہے۔“

”کچھ بکو بھی تو....!“

جیسے ہی میں نے منیجر کو اپنا وزینگ کارڈ دیا دیکھتے ہی اچھل پڑا اور بے حد مسرور ہو کر بولا۔

”آپ نے بڑی مشکل آسان کر دی.... بھلا میں آپ کو کہاں ڈھونڈتا پھر تا۔“

”کالنگ سسٹم یہاں ختم کر دیا گیا ہے.... ہاں تو جناب آپ کے لئے آپ کے آفسر کا پیغام

”کل پھر نہ گذرے گا.... لہذا آج ہی تصویر کھینچ کر رکھ لیجئے....!“ حید کو غصہ آگیا۔

”تم دونوں نے اس کا اندراج روزناموں میں کیا یا نہیں۔“

”میں تو اس وقت بھی کر سکتا ہوں.... لیکن وہ لاپے میں تھاپہ کر رہا ہوگا۔“

”کیا یکبارہ ہو.... اُسے فوراً یہاں بلاؤ۔“

”مشکل ہے! نیا گروہ والوں نے یہاں سے کالنگ کا سسٹم ختم کر دیا ہے۔“

”اس وقت وہ اپنا اصول توڑنے پر مجبور ہوں گے.... میں نیچر کو رنگ کرتا ہوں۔“ فریدی

اٹھ کر اندر چلا گیا اور حید وہیں بیٹھا رہا۔

دس منٹ گزر گئے.... اور حید اوٹھنے لگا.... نیند پوری نہیں ہوئی تھی اس لئے سردی کے

باد جو ابھی آکھ لگ گئی۔

پھر شائد فریدی کے جھنجھوڑنے ہی پر اٹھا تھا.... بوکھلا کر گھڑی دیکھی تب اُسے معلوم ہوا

کہ وہ تقریباً یون گھنٹے تک آرام کر ہی میں پڑا سوتا رہا ہے۔

”ریمش نے اپنی رپورٹ درج کر دی ہے.... اب تم لکھو۔“ فریدی نے کہا۔

”خدا سمجھے۔“ حید آنکھیں ملتا ہوا بڑبڑایا اور پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ چہرے کے قریب گرم

گرم ہواپ محسوس ہوئی۔

کافی کا پیالہ فریدی نے اس انداز میں بڑھلایا جیسے ہونٹوں ہی سے لگادے گا۔

”جھٹا ہٹ کے باوجود بھی شکریہ۔“ حید کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔

کافی سے بڑا سکون ملا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی نے ساری جسمانی اور ذہنی تھکن

نچوڑ لی ہو۔

فریدی بڑبڑا رہا تھا۔ ”اب ان جرائم پیشہ لوگوں کو اتنی جرأت ہونے لگی ہے کہ ہم پر اس

طرح حملہ کر سکیں.... میرا دل چاہتا ہے کہ تم دونوں کو گولی مار دوں، وہ تنہا تھا.... اگر تم

چاہتے....؟“

”پلیز....!“ حید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”زندگی میرے لئے ایک کھلونا سی لیکن اندھیرے سے

آئے ہوئے تیر کا رخ کون موڑ سکا ہے۔“

”کسی تھرڈ کلاس اسٹنٹ فلم کا مکالمہ....!“ فریدی نے نڈاسامہ بنایا۔

”ہاں.... ہاں....!“

”آدمیوں کی طرح بات کرو.... میں الجھن میں ہوں....!“

”ہوتا بھی چاہئے.... میں یہاں آپ کیلئے کوئی ایسی نرس مہیا نہ کر سکوں گا جو آپ کیساتھ

کمرے میں بند ہو سکے.... خدا رحم کرے میرے حال پر.... لیکن یہ تو بتائیے جناب یہ آپ کا

دورہ اتنی جلدی کیوں مفقود ہو گیا۔ وہ نرس بیماری اپنی زندگی میں غلامی محسوس کرنے لگی ہے۔“

”جو اس بند کرو....!“ فریدی کے لہجے میں جھٹا ہٹ تھی۔ ”وہ تصویر مجھے دو۔“

”کوئی تصویر....!“

”جورجنی کے ایک سے نکالی تھی۔“

”اڑتی پڑتی سن لی ہوگی....!“ حید نے نڈاسامہ بنا کر کہا۔ ”آپ کی اطلاع کے لئے عرض

ہے کہ ایک تصویر نہیں درجنوں تھیں اُس میں۔“

”جلدیش کو تم نے غالباً اسی لئے میرے پاس بھیجا تھا کہ وہ بنی بیک پر ہاتھ صاف

کر سکے....!“ فریدی مسکرایا۔

”آپ کا خیال غلط نہیں ہے۔“

”پھر میں کیوں نہ اُسے روکے رکھتا۔“

حید اچھل پڑا اور اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے گھورنے لگا جیسے وہ اسپینوزا کی فلاسفی پر

اٹکھار خیال کرتے ہوئے اچانک دائرہ الایپنے لگا ہو۔

”ہوں.... تصویریں نکالو....!“ فریدی نے سہار کیس سے ایک سگار ختم کرتے ہوئے کہا۔

حید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دے.... فریدی تختی سے باز پرس کرتا آخر تک

بھی کیا تھی تصویریں جیب میں لئے پھرنے کی.... کیسی حماقت سرزد ہوئی تھی....؟ شام کو

جلدیش کے ساتھ روانگی سے پہلے اُس نے تصویروں کا پیکٹ رکھنے کے لئے تجوری کھولی

تھی.... پیکٹ رکھا تھا.... اور پھر نکال کر کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا تھا.... کس خیال

کے ماتحت یہ حرکت سرزد ہوئی تھی.... اس وقت اُسے یاد نہ آیا۔

مجبوراً فریدی سے سب کچھ بتا دینا ہی پڑا۔

”تم سے بڑا گدھا آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔“ فریدی غرایا۔

موجود.... آدمی کب تک درندہ رہے گا۔“

آواز کی شناخت

دوسرے درجہ کی ریاستوں میں رتن پور کا رقبہ سب سے زیادہ تھا۔ لیکن تقریباً دو تہائی حصہ ریگستانوں کی نظر ہو گیا تھا۔ پھر ایک تہائی حصہ جنت نظیر کیوں نہ ہوتا.... ریگستان بھی بے مصرف نہیں تھے اُنکے بعض حصوں سے شورے اور سوڈا کاسٹک کی وافر مقدار دستیاب ہوتی تھی۔ ریاست کا سابقہ حکمران بہت پڑھا لکھا اور باسلیقہ آدمی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ عوام کی گاڑھی مشقت کی کمائی کا مصرف کیا ہونا چاہئے۔

ریگستانوں سے حاصل کی ہوئی دولت ریگستانوں ہی پر صرف ہوتی.... نخلستانوں کو بہت زیادہ کار آمد بنانے کی کوشش کی جاتی۔

حمید سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ رتن پور اتنی دلچسپ جگہ ہوگی.... فلیشی یہاں کا سب سے زیادہ شاندار ہوٹل تھا.... اور اُس سے بھی زیادہ شاندار بات یہ تھی کہ حمید کو یہاں صرف قیام کرنا تھا.... یعنی فی الحال کوئی کام بھی نہیں سپرد کیا گیا تھا.... فریدی کی ہدایت کے مطابق وہ رتن پور آیا تھا اور ریلوے اسٹیشن ہی پر فلیشی کے ایک نمائندے نے اُس کی ذمہ داریاں خود سمیٹ لی تھیں۔ غالباً فریدی نے پہلے ہی فلیشی والوں کو مطلع کر دیا تھا۔

”فلیشی.... فلیشی....“ وہ ہوٹل میں قدم رکھتے ہی بڑبڑایا تھا۔ ”مجھے علم نہیں تھا کہ تم بھی مجھ سے صرف ساڑھے تین سو میل کے فاصلے پر واقع ہو.... اب میں اکثر تمہارے درشن کیا کروں گا۔“

تین مربع میل کا علاقہ فلیشی ہی کی ملکیت تھا.... تین مربع میل میں چاروں طرف باغات ہی باغات بکھرے ہوئے تھے.... اور وسط میں یہ چھ منزلہ عمارت تھی۔

حمید نے پہلی رات تو پانچویں منزل پر پہنچنے کے لئے لفٹ استعمال کی تھی لیکن دوسری صبح جب زینوں پر بے شمار لہراتے ہوئے آنچل نظر آئے تو اُس نے لفٹ پر لعنت بھیج دی اور سوچنے لگا کہ بیروں کو زیادہ سے زیادہ تکلیف دینا صحت کے لئے بے حد مفید ہے۔

آج فرسٹ فلور پر چار بجے اسکینک کا پروگرام تھا۔ حمید ساڑھے تین ہی بجے اپنے کمرے

”ختم کیجئے ورنہ میرے دماغ کی شریانیں بھی پھٹ جائیں گی۔“ حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا تھا کہ میں نیارگہ میں ملوں گا۔“

”پچھلے سال بھی ملٹی روٹ کے عشق میں مبتلا رہ چکے ہو.... سب سے پہلے نیارگہ کے اشتہار ہی پر نظر پڑی ہوگی۔“

”ہوں.... خیر.... کیا دوسرا کپ بھی مل سکے گا۔“

”اپنی مدد آپ کرو....“ فریدی نے ٹرائی کی طرف اشارہ کیا۔

”خیر.... خیر.... لیکن شہد کی مکھی سے کب تک محروم رہوں گا۔“

”ابھی بتاؤں گا کیونکہ تمہیں صبح کی گاڑی سے رتن پور پہنچنا ہے۔“

”رتن پور!....“ حمید ٹرائی کے قریب رک کر مڑا۔

”ہنی کلکٹرس سنڈکیٹ کا ہیڈ آفس وہیں ہے....!“

”لیکن بات تو کوائرٹر نمبر اٹھارہ کی تھی....!“

”اب بھی ہے.... موت کے فرشتے نے وہاں تک رہنمائی نہیں کی تھی۔ رام گڈھ میں جس آدمی کا تعاقب کیا تھا وہ شہد کی مکھی ہی والی تنظیم سے تعلق رکھتا تھا۔ اُس کے ذریعہ دو چار مزید ممبروں سے روشناس ہوئی تھی۔ راجروپ مگر تک اُن کا تعاقب کرتا ہوا آیا تھا۔ اور وہیں یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ وہ کوائرٹر نمبر اٹھارہ کے کسی مکین پر کسی سلسلے میں تشدد کرنا چاہتے ہیں۔“

حمید کافی کا پیالہ سنبھالے ہوئے پھر آرام کرسی کی طرف پلٹ آیا تھا۔ دو تین چسکیاں لے کر بولا۔ ”رجنی اُس عورت کو جانتی تھی دیکھئے.... مجھے اس کے الفاظ اچھی طرح یاد ہیں.... تصویر.... تصویر.... سار جٹ.... مجھے بچاؤ.... قتل....!“

”ممکن ہے کہ اُس کے پاس کوئی ایسی تصویر رہی ہو جسے کوائرٹر نمبر اٹھارہ والی عورت کے پاس ہونا چاہئے تھا.... کیا تم نے نہیں دیکھا تھا کہ مقتولہ کے کمرے میں کتنی اجتری تھی.... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انہیں کسی چیز کی تلاش رہی ہو.... اور.... وہ.... وہ....!“

وہ خاموش ہو گیا.... نہ جھپکنے والی آنکھیں باہر اندھیرے میں گھور رہی تھیں۔

”وہ بچہ.... خدا کی قسم وہ تازہ نگ میرے ذہن سے چنار ہے گا.... مجھے سکون نہیں مل سکتا تاؤ فیکہ انہیں صفحہ ہستی سے نہ مٹا دوں.... خدایا.... وہ اپنی ماں کا خون چوس رہا تھا.... میرے

”اوہ....!“ حیدر اچھل پڑا.... اور پلٹ کر اوپر بھاگا.... زینوں کے موڑ پر ایک لڑکی منہ کے بل گری ہوئی کہیاں ٹیک کر اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”ارے....!“ وہ چونک کر پیچھے ہٹا۔ یہ تو وہی اینگلو انڈین لڑکی تھی جس نے کچھ دیر پہلے اُسے ڈانٹ پلائی تھی اور وہ بوکھلاہٹ میں دوسری لڑکی سے ٹکرا گیا تھا۔ لڑکی کہیوں کے بل اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے یلخت بے حس و حرکت ہو گئی۔

وہ دونوں دہسی لڑکیاں بھی حیدر کے بعد ہی اُس طرف جھپٹی تھیں.... قبل اس کے کہ حیدر بیہوش لڑکی کو ہاتھ لگا تاہ اُس پر جھک پڑیں۔

پھر تو ذرا سی دیر میں وہاں کافی بھیڑ اکٹھا ہو گئی.... حیدر نے سوچا اب کھسک ہی لینا چاہئے ورنہ پوچھ گچھ کا بار.... بوریت بن کر ذہن پر مسلط ہو جائے گا۔

بھیڑ سے گزرتا ہوا وہ ڈانٹنگ ہال میں آ پہنچا.... وہاں پندرہ منٹ کا.... چائے پی.... اور پھر ریکریشن ہال کی طرف چلا آیا.... اسکیٹنگ شاپ پر تھی درجنوں جوڑے جو بی فرش پر پکراتے پھر رہے تھے۔

”پارٹنر کے بغیر اسکیٹنگ پر لعنت....!“ وہ بڑبڑایا۔ اور بائیں جانب والی گیلری کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ جہاں کی میزیں خالی تھیں۔

ایک میز منتخب کر کے بیٹھا ہی تھا کہ وہی دونوں لڑکیاں نظر آئیں جنہیں بیہوش لڑکی کے قریب چھوڑ کر وہ زینوں سے فرار ہوا تھا۔ نظریں ملتے ہی دونوں نے معنی خیز انداز میں سر ہلائے اور تیر کی طرح اُس کی میز کی طرف آئیں۔

”بغیر اجازت....!“ نارنجی ساری نے غصیلے لہجے میں کہا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

”یہ حقیقت ہے کہ تم بہرے نہیں ہو۔“ دھانی ساری غرائی اور وہ بھی بیٹھ گئی۔

”اسکیٹنگ میری ہابی ہے۔“ حیدر مسکرایا۔

”ہوش کی دوا کرو.... تم بڑی مشکلات میں پھنس گئے ہو۔“ نارنجی ساری آنکھیں نکال کر بولی۔

”میں نہیں جانتا کہ یہاں ہوش کی دوا کس بھاد بکتی ہے۔“

”بے بھاد....!“ دھانی ساری خواہ خواہ ہنس پڑی۔

نارنجی ساری نے اُسے گھور کر دیکھا اور پھر حیدر سے پوچھا۔ ”کہاں سے آئے ہو؟“

سے نکل آیا.... لیکن وہ بہت شدت سے بور تھا۔ کیونکہ کچھ ہی دیر پہلے اُس نے ملک کے سب سے زیادہ چھپنے والے روزنامہ میں ایک خبر دیکھی تھی.... اپنی اور جگدیش کی داستان.... تصویروں کے پیکٹ کی کہانی جو اُس کی جیب سے کوئی بہت ہی چالاک اور طاقت ور آدمی نکال لے گیا تھا۔

کلیجہ خون ہو گیا اپنا نام دیکھ کر.... کیا سوچا ہو گا اُن لڑکیوں نے جو اُسے کسی فلمی ہیرو کی طرح عزیز رکھتی تھیں.... گر لڑ فرینڈز جو اُسے کسی تفریح گاہ میں داخل ہوتے دیکھ کر اپنے ساتھیوں کی میزوں سے اٹھ جایا کرتی تھیں کیا سوچ رہی ہوں گی۔ اس کے بارے میں.... وہ سوچتا اور بور ہو رہا تھا۔

اگر وہ نہ اسرار آدمی کبھی روز روشن میں بھی سامنے آ گیا تو....؟

اُس نے سوچا اور اس سے آگے نہ سوچ سکا کیونکہ اُس کی نفرت انگیز آواز ذہن میں گونجنے لگی تھی.... شاید وہ اُس آواز کو کبھی نہ بھلا سکے۔ ہزاروں میں پہچان لے گا.... مگر.... مگر.... آخر وہ خبر پریس میں کیوں دی گئی تھی.... اب فریدی پر غصہ آ گیا.... اور وہ زینے طے کرتے ہوئے ایک اینگلو انڈین لڑکی سے ٹکراتے ٹکراتے پچھا۔

”کس سوری....!“ حیدر اُس کا راستہ روک کر خواہ خواہ ہکلا یا۔

”ہٹو سامنے سے....!“ وہ جھلا کر چیخی۔

اور حیدر اس طرح ایک طرف ہٹا کہ دوسری لڑکی سے ٹکرا گیا جو نیچے جا رہی تھی۔

”اندھے ہو کیا....؟“ وہ غرائی۔

”جی....؟“ حیدر نے بہروں کے سے انداز میں اونچی آواز میں پوچھا۔

اینگلو انڈین لڑکی تیزی سے زینے طے کرتی ہوئی اوپر چلی گئی تھی.... دوسری لڑکی کی ساتھی ہنس کر بولی۔ ”اندھے نہیں بہرے ہیں۔“

دونوں اُسی زینے پر رک گئی تھیں۔ نہ جانے کیوں حیدر نے چہرے پر حماقت کے آثار طاری کر لئے۔

ایک بیک اوپری منزل سے کسی کے چھپنے کی آوازیں آئیں.... پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی زینوں پر گر کر لڑکھٹنے لگا ہو۔

”کنج چنگا۔“

”اچھی بات ہے۔“ نارنجی ساری سر ہلا کر بولی۔ ”تم سنجیدگی سے بات نہ کرو۔۔۔ لیکن رکھو کہ یہ رتن پور ہے۔۔۔ انگریزی عملداری سے آئے ہوئے بڑے بڑے تیس مار خانوں جھک ماری پڑتی ہے۔“

”میں نہیں سمجھا محترمہ۔۔۔ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔“

”لڑکی کے چوٹیں آئی ہیں۔۔۔ بیہوش ہو گئی ہے۔۔۔ ہم نے تمہیں اس کا راستہ روکنے دیکھا تھا۔“ نہیں صاحب آپ بھول رہی ہیں۔۔۔ دھکیلا تھا میں نے آپ صرف راستہ روکنے کی بار کر رہی ہیں۔“

”کام نہیں چلے گا۔“ وہ سر ہلا کر کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ”لڑکی کا اسکرٹ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے۔ کسی نے چوتھی منزل کے زینوں پر اُسے پکڑنے کی کوشش کی ہوگی۔ وہ بوکھلا کر پھر پئے بھاگی۔ پیر پھسل گیا۔“

”چوتھی منزل پر میرا ہمزاد موجود نہ تھا۔۔۔“ حمید نے زہریلا سا ہتھکڑ لگایا۔ ”تمہارا کوئی ساتھی۔۔۔ میں فلیڈ کی ہاؤس ڈیٹو ہوں سمجھے۔“ نارنجی ساری آنکھیں نکال کر بولی۔ ”پولیس تم میں بہت زیادہ دلچسپی لے سکتی ہے بشرطیکہ میں اپنی زبان کھولوں۔“

”اور یہ کون ہیں۔۔۔“ حمید نے دھانی ساری کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”ہوں تو تم اب بھی سنجیدہ نہیں ہوئے۔۔۔“

”سنجیدگی کی بات نہ کرو۔۔۔ سنجیدہ دیکھنا ہو تو اس وقت قبر کے سرہانے آ موجود ہونا جب میں دفنایا جانے لگوں۔۔۔ اسکیننگ کی کیا رہی۔۔۔ سنگاپور میں میں نے کپ جیتا تھا۔“

اتنے میں ایک بھغاری ساسب انسپکٹر اسی گیلری کے زینوں کے قریب نظر آیا۔۔۔ زینوں سے اتر کر وہ انہیں کی طرف بڑھنے لگا! نارنجی ساری سر ہلا کر مسکرائی تھی۔

”کیا اجازت ہے۔“ سب انسپکٹر نے قریب پہنچ کر دانت نکالے۔

”ضرور۔۔۔ ضرور۔۔۔!“ حمید اٹھ کر تعظیماً جھکا۔

”آپ کی تعریف۔۔۔!“ انسپکٹر نے بیٹھتے ہوئے نارنجی ساری کو مخاطب کیا۔

لیکن اُس کے ہونٹ ہلانے سے قبل ہی حمید بول پڑا۔ ”یہ میری کزن ہیں۔۔۔ اور میں

بسل۔۔۔ عام طور پر سار جٹ بسل کے نام سے مشہور ہوں۔“

”بڑا عجیب نام ہے۔۔۔ سب انسپکٹر خواہ مخواہ ہنسنے لگا۔۔۔ اور نارنجی ساری نے دھانی ساری کی طرف دیکھ کر نمبر اسامہ بنایا۔

”بسل نام نہیں تخلص ہے۔۔۔ بظاہر بڑی عجیب بات ہے۔۔۔ فوجی شاعر۔۔۔ لیکن افتاد طبع کو کیا کہا جائے۔“

”خیر۔۔۔! سب انسپکٹر نارنجی ساری سے مخاطب ہوتا ہوا بولا۔

”سمجھ میں نہیں آتا مس روزا۔۔۔ بھلا آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ کسی نے اُسے پکڑنے کی کوشش کی ہوگی۔۔۔ میں نے سنا ہے آپ کا یہی خیال ہے۔۔۔ غالباً سدھیر سے کہا تھا آپ نے۔“

”اچھا تو روزا میں چلی۔۔۔! دھانی ساری اٹھتی ہوئی بولی۔“

”ارے۔۔۔ واہ۔۔۔ اور یہ اسکیننگ۔۔۔!“ حمید نے کہا اور احمقانہ انداز میں منہ کھول کر رہ گیا۔

”شکریہ۔۔۔ پھر کبھی۔“ وہ مسکرائی۔۔۔ اور حمید دانت پر دانت جمائے سوچتا رہ گیا۔

رفقار تو شرمندہ کند بکب دردی را

وہ اُسے دیکھتا رہا۔۔۔ چلنے کا انداز بداد لکش تھا۔ پھر اُس نے اس کا رومال گرتے دیکھا۔ لیکن وہ آگے ہی بڑھتی گئی غالباً بے خبری میں گرا تھا۔

حمید اٹھا اور تیزی سے اُس جانب چھینٹا رومال اٹھا کر دھانی ساری کو روکنے کے لئے پھر آگے بڑھ گیا۔

”آپ کا رومال محترمہ۔۔۔! اُس نے رومال اُس کی جانب بڑھایا اور ٹھٹک گیا۔۔۔ رومال کے گوشے پر شہد کی مکھی کی تصویر نظر آئی تھی۔

”چھوڑیے۔۔۔! دھانی ساری نے رومال کا وہی گوشہ پکڑ کر جھک دیا۔

”جی۔۔۔!“ حمید شکرانہ انداز میں اُس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ یک بیک وہ سنبھلا اور مسکرا کر بولا۔ ”رومال کی خوشبو مسکور کن ہے۔“

”شکریہ۔۔۔! لڑکی نے نمبر اسامہ بنایا اور دوسری طرف مڑ گئی۔

حمید میز کی طرف واپس ہوتے وقت ایک بار پھر ٹھٹکا۔ روزا اور انسپکٹر کے علاوہ اب وہاں ایک بوڑھا اینگلو انڈین بھی موجود تھا۔

پوچھنا۔ اُس کے رویہ میں اچانک اس قسم کی تبدیلی پر حیرت کیوں نہ ہوتی۔

حمید اُس کی خوفزدہ سی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔ ”اسکیٹنگ کی کیا رہی۔“

”جج... جی ہاں۔“ وہ چونک پڑی۔ ”ضرور... ضرور... مم... مگر میں ذرا اسکرٹ پہن آؤں۔“

”میں بھی چل رہا ہوں....!“

”ضرور... چچ چلے....!“ وہ بدحواسی کے عالم میں مسکرائی۔

حمید بھی اُس کے ساتھ اٹھ گیا! وہ دوسری منزل پر آئے۔ روزا نے اپنا کمرہ کھولا۔ یہ نشست کا کمرہ تھا.... اُسے بٹھا کر وہ برابر والے کمرے میں چلی گئی.... چار منٹ گزر گئے.... ایک بیک حمید اچھل پڑا کوئی چیز اُس کے شانوں سے پھسلتی ہوئی گود میں آگری تھی۔

کپڑے کا گولا.... وہ تیزی سے روشن دان کی طرف مڑا۔ پھر دروازے کی جانب جھپٹا لیکن راہداری ویران نظر آئی.... وہ کپڑے کا گولا رومال ثابت ہوا۔ جس کی تہوں میں ایک مڑا ترا کاغذ تھا۔ حمید نے تیزی سے چاروں طرف نظر دوڑائی.... اور تحریر پر توجہ مرکوز کر دی.... رائٹنگ فریدی ہی کی تھی۔

”تمہاری حماقت سے انہوں نے اندازہ کر لیا ہے کہ ہم کس طرح بُن کی راہ پر لگے ہوں گے۔ لڑکی کا رومال اٹھانا.... زبردست غلطی تھی۔ پھر تم شہد کی مکھی دیکھ کر اپنے تئیر پر بھی قابو نہ پاسکے۔ لڑکی دودن سے تمہاری نگرانی کر رہی تھی۔“

”ہاؤز ڈٹیکو کار آمد ثابت ہو سکتی ہے بشرطیکہ تم رومان کی وادیوں میں نہ بھٹکنے لگو۔“

حمید نے پرچے کو رومال سمیت جیب میں ٹھونس لیا کیونکہ درمیانی دروازے کا ہینڈل گھومتا محسوس ہوا تھا۔

دروازہ کھلا اور روزا اندر داخل ہوئی۔ اس کا اسکرٹ بھی تاریخی ہی تھا۔ شاید وہ کسی دوسرے رنگ میں اتنی دلکش نہ دکھائی دیتی۔

سراسیمگی کے آثار اب بھی اُس کے چہرے پر موجود تھے.... وہ چپ چاپ تھوڑے فاصلے پر رک گئی۔ سانس تیزی سے چل رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے چھ منزلوں کے زینے دوڑ کر طے کئے ہوں۔

”کیوں....؟“ حمید نے متحیرانہ کہا۔ ”آپ اس طرح ہانپ کیوں رہی ہیں۔“

حمید نے محسوس کیا کہ وہ غصے سے کانپ رہا ہے۔ غالباً پہلے کچھ کہہ رہا تھا۔ حمید پر بھی اُس نے قہر آلود نظر ڈالی۔ لیکن حمید روزا کی طرف متوجہ تھا۔ دفعتاً اینگوائڈن غرایا۔ ”اُس کے وینٹی بیک میں شہد کی مکھیاں بھری ہوئی تھیں.... یہ کیسا ہوٹل ہے.... کیا ہوتا ہے۔ یہاں.... میں ابھی ریزیڈنٹ سے ملوں گا.... اُس نے بیک کھولا تھا مکھیاں نکل کر چٹ گئیں.... پورٹر نمبر تیس نے دیکھا تھا۔ اُس سے پوچھو.... میں ہوٹل کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا سمجھے۔“

”مگر سنئے جناب۔“ روزا بول پڑی۔ ”میں یہاں کی ہاؤز ڈٹیکو ہوں جس وقت آپ کی صاحبزادی اوپر سے پھسل کر تیسری منزل کے زینوں پر آئی تھیں.... میں وہیں موجود تھی.... میں نے شہد کی مکھیاں نہیں دیکھیں۔“

”جاؤ تو اب جا کر دیکھو....! وینٹی بیک چوتھی منزل کے زینوں پر موجود ہے اور اس پر اب بھی کئی مکھیاں رینگ رہی ہیں.... اور ڈالی کے چہرے پر درم ہے.... داہنا ہاتھ بھی ستورم ہے۔ جاؤ دیکھو.... میں ریزیڈنٹ....!“

”پلیز.... پلیز....!“ روزا بول پڑی.... ”جلد بازی سے کام نہ لیجئے۔ فلیٹی ہز ہائی نس کا ہوٹل ہے.... ذرا محتاط ہو کر کوئی قدم اٹھائیے گا۔“

”میں ریزیڈنٹ کی بات کر رہا ہوں۔“

”ریزیڈنٹ صاحب کا دم نکلتا ہے.... ہز ہائی نس کے نام پر.... یہ رتن پور ہے مسٹر۔ ویسے اگر آپ خواہ مخواہ کی جھکن مول لینا چاہتے ہوں تو دوسری بات ہے۔“

”میں دیکھوں گا....!“ اُس نے پھر میز پر گھونٹ مارا اور وہاں سے اٹھ گیا۔

انسپکٹر اور روزا ہنستے رہے.... حمید البتہ سختی سے ہونٹ پر ہونٹ جمائے بیٹھا رہا کیونکہ وہ بھی شہد کی مکھیوں کا قصہ تھا۔

”میں اسے دیکھتا ہوں۔“ سب انسپکٹر بھی اٹھ گیا۔

حمید نے روزا کی طرف دیکھا اور یک بیک اُس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نظر آئے۔ ”مم.... میں معافی چاہتی ہوں جناب۔“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔

”کوئی بات نہیں۔“ حمید نے اپنے چہرے سے حیرت نہ ظاہر ہونے دی۔ ویسے حیرت کا کیا

”سروانز سے رپورٹ کیجئے.... براہ راست ہاؤز ڈیٹیلنگ کے پاس چلے آنا کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ اس طرح یہ پیاری کیا کر سکیں گی۔“

”مجھے سروانز ہی نے بھیجا ہے....!“ وہ غرایا۔

”نہایت بیہودہ معلوم ہوتا ہے۔“ حمید نے جواب دیا۔ ”آپ کو تکلیف دی! غالباً وہ بھی بے قاعدگی کا شکار ہو گیا ہے.... بہر حال....!“

”چلئے جناب۔ میں دیکھتی ہوں۔“ روزانے اُسے مزید کچھ کہنے کا موقع نہ دیا۔

”اور وہ اسکیٹنگ....!“ حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

”پلیز....!“ وہ گھگھیاٹی۔ ”میں بہت جلد واپس آؤں گی۔ آپ یہیں تشریف رکھئے۔“

پھر حمید بیس منٹ تک وہاں بیٹھا بور ہوتا رہا.... وہ واپس آئی اُس کا چہرہ بھی غصے کے مارے تاریخی ہو رہا تھا۔

”خدا ان گدھوں کو عقل دے....!“ وہ ہانپتی ہوئی بولی اور صوفے میں ڈھیر ہو گئی۔

”کیا ہوا....!“

”کجنت غسل خانے میں کیرہ بھول کر یہاں بھاگا آیا تھا۔“

”کون ہے۔“

”کوئی مسٹر خضران.... کیا نام ہے.... بچ....!“

حمید نے چند لمبے کچھ سوچا اور شہد کی مکھیوں والی بات جہاں تہاں چھوڑی دی.... اب تو اُس کا ذہن خضران میں الجھ کر رہ گیا تھا.... سو فیصدی وہی آواز تھی جسے دوبارہ سننے کے لئے وہ نری طرح بیتاب تھا۔

اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔

”بے حد غصہ آیا تھا اُس کی بد تمیزی پر.... لہذا میں سب سے پہلے اُس کریم کھاؤں گا۔“

”دسمبر میں....؟“

”مئی جون میں انکارے چلبلا کرتا ہوں.... آج تک مجھے اپنا جواب نہیں مل سکا۔“

”بہت دلچسپ آدمی ہیں آپ....!“ وہ زبردستی مسکرائی۔

”اسکیٹنگ....!“

”آپ نے مجھے معاف کر دیا نہیں....!“ اُس نے رندھی سی آواز میں پوچھا۔

”بیٹھ جائیے....!“ حمید نے صوفے کی طرف اشارہ کیا.... اور وہ بے سدھ سی ہو کر صوفے میں گر گئی۔

”یک بیک آپ کا رویہ کیوں بدل گیا.... کیا اب یہ رتن پور نہیں ہے۔“

”میں پھر معافی چاہتی ہوں جناب.... خدا را معاف کر دیجئے۔“ وہ گڑگڑائی۔ ”میں ہربائی نس کی ایک ادنیٰ کنیز ہوں.... جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ شہد کی مکھیوں کا معاملہ ہے تو....!“

”بھلا شہد کی مکھیوں اور ہربائی نس....!“

”یہ کیا بیہودگی ہے.... یہ کیا ذالالت ہے....“ باہر سے غراہٹ سی سنائی دی۔ ”کہاں ہے ہاؤز ڈیٹیلنگ یہ ہوٹل ہے یا بھٹیاری خانہ۔“

روزانہ تیزی سے باہر نکلی حمید بھی فوراً ہی اٹھا تھا۔

”تم ہو.... ہاؤز ڈیٹیلنگ....“ اجنبی نے، تحقیر آمیز لہجے میں پوچھا۔ یہ ایک لمبا ترنگا لیکن بد ہیئت آدمی تھا.... آگے کے دونوں دانت سائیمان کی طرح نچلے ہوئوں پر نکلے ہوئے تھے۔

”فرمائیے جناب....!“

”میرے کمرے میں چوری ہو گئی ہے۔“ وہ خوفناک انداز میں غرایا.... اور حمید یک بیک چونک پڑا.... یہ غراہٹ.... یہ آواز اُس نے کہاں سنی تھی؟

ذہن پر زور دینے لگا.... اوہ.... اوہ.... سو فیصدی وہی تھا.... اُسی پراسرار حملہ آور کی آواز جو اُس کی جیب سے تصاویر کا پیکٹ نکال لے گیا تھا۔

پیغام

”میرا کیرہ کسی نے چرایا.... جو بہت قیمتی تھا.... تم تصور بھی نہیں کر سکتیں کہ وہ کتنا قیمتی رہا ہو گا۔“ اجنبی نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ آپ نے غلط طریقہ اختیار کیا ہے۔“ حمید کا لہجہ بے حد خشک تھا۔

”کیا مطلب....؟“

”چلے... چلے...“ وہ اٹھ گئی۔

نیچے ریکریشن ہال میں دونوں جانب کی گیلریاں بھر گئی تھیں اور اس وقت صرف ایک جوڑا اسکیٹنگ کے کمالات دکھا رہا تھا۔

”پرفیشنل...؟“ حمید نے روزا سے پوچھا۔

”جی ہاں... فلیٹی کا بہترین جوڑا...!“

پھر دونوں نے اسکیٹس پہنے اور روزانے کہل ”کیا ہم ان دونوں سے بہتر مظاہرہ کر سکیں گے۔“

”پتہ نہیں...!“ حمید نے لاپردائی سے جواب دیا۔ ”آؤ...!“

وہ اُس کا ہاتھ پکڑے کھینچتا ہوا ڈھلان میں لیتا چلا گیا... لیکن ٹھیک اسی وقت موسیقی ختم ہو گئی۔

”کیا لغویت ہے...!“ حمید بُرا سامنہ بنا کر بڑبڑایا اور اُس کے ہاتھ پکڑے گیلری کے زینوں کی جانب تیرتا چلا گیا۔

زینوں کے قریب ایک آدمی سے ٹکراتے ٹکراتے بچا لیکن روزا کا سر اُس کے بازو سے ٹکرا ہی گیا۔ گرانڈیل آدمی غرا کر پلٹا... یہ خضران تھا... وہی آدمی جو کچھ دیر پہلے کمرے کی چوری کے سلسلے میں روزا پر بگڑا تھا۔

”اندھے ہو...!“ اُس نے آنکھیں نکالیں۔

”آج کا دن ہی دایمات ہے کچھ دیر پہلے زینوں پر ان محترمہ نے بھی مجھے اندھا ہی سمجھا تھا۔“

”جھگڑا کرو گے...؟“ خضران باخچیں پھاڑ کر دہاڑا۔

”چلو یہاں سے...!“ روزا اُس کا ہاتھ پکڑ کر دوسری طرف گھسیٹ لے گئی اور ڈھلان کے سرے پر دیوار سے اپنا ایک ہاتھ ٹکا کر اُسے بھی رکنے پر مجبور کر دیا۔

”میں لڑائی بھڑائی سے ڈرتی ہوں۔“ اُس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ”وہ بہت بد تمیز آدمی معلوم ہوا ہے۔ کاش بڑے ہوٹلوں میں داخل ہونے سے پہلے عادات و اطوار کا امتحان دینا بھی ضروری ہوتا۔“

”تب تو ہم جیسے گدھے کسی اور ہی تھان پر بندھا کرتے۔“ حمید نے قہقہہ لگایا۔

”تم ڈرتی کیوں ہو... بڑا اچھا موقع ہاتھ سے نکال دیا... میں تو بہانہ تلاش کر رہا تھا کہ اُس سے کسی طرح بھڑ جاؤں۔“

”کیوں...؟“

پرنس وحشی

”کچھ دیر پہلے اُس نے تمہاری توہین کی تھی... اور میں تیل کے گھونٹ پی کر رہ گیا تھا۔“

”تیل کے گھونٹ...!“ وہ ہنس پڑی۔ ”خون کے گھونٹ محاورہ ہے۔“

”گھن آتی ہے...!“ حمید نے بُرا سامنہ بنایا۔ ”پتہ نہیں یہ محاورہ گھرنے والے کیسے لوگ

تھے... مثال کے طور پر قارورہ ملنا...!“

”ریش...!“ روزا اُس کا ہاتھ جھٹک کر تنہا چڑھائی پر دوڑتی چلی گئی۔

حمید کی توجہ زیادہ تر خضران کی طرف تھی جواب بھی دہیں کھڑا اُسے گھورے جا رہا تھا... اُس نے اسکیٹس اتار کر گیمز کپڑے کے حوالے کئے اور خود بھی خضران کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتا ہوا پھر ڈانٹنگ ہال میں چلا آیا۔

روزا ریکریشن ہال ہی میں چکراتی رہی تھی۔

دس بجے تک وہ مختلف تفریحات میں الجھا رہا۔ روزا پھر نہیں دکھائی دی تھی۔ غالباً سوا دس بجے تھے... ڈانٹنگ ہال کے اسٹیج پر تین لڑکیاں ”ہوائیں ہلا“ پیش کر رہی تھیں۔ دفعتاً کسی نے اُس کی پشت پر ہاتھ مارا اور وہ اچھل پڑا۔

”کیا مطلب...!“ وہ آنکھیں نکال کر غرایا۔

”میں یہاں بیٹھنا چاہتا ہوں۔“ بوڑھے اینگلو انڈین نے ہانپتے ہوئے کہا۔ وہ بہت زیادہ نروس نظر آ رہا تھا۔ حمید نے اُسے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا وہ اُسی لڑکی کا باپ تھا جو زینوں پر بیہوش ہو گئی تھی۔

”بیٹھ جاؤ...!“ حمید نے لاپردائی سے کہا۔

”میں نے غالباً تمہیں ہاؤس ڈیٹیکٹو کے ساتھ دیکھا تھا... وہ کہاں ہے۔“

”پتہ نہیں...!“ حمید نے لاپردائی سے شانوں کو جنبش دی۔ ”میں بھی یہاں نوادہ ہی ہوں۔“

”اس اسٹیٹ سے تمہارا کوئی تعلق نہیں...!“

”نہیں... میں صرف ایک ٹورسٹ ہوں...!“

”میں بھی نوادہ ہی ہوں۔ لیکن شاید یہ میری زندگی کی آخری رات ہے۔“

حمید نے اُسے غور سے دیکھا اور پھر ہمدردانہ لہجے میں بولا۔ ”بہت تھکے ہوئے معلوم ہوتے

ہو۔ کیا پیو گے۔“

”شکریہ..... برانڈی.... تم پہلے آدمی ہو جس نے اس منحوس ریاست میں مجھ سے ہمدردانہ لہجے میں گفتگو کی ہے۔“

حمید نے ویٹر کو بلا کر برانڈی کے بڑے پگ کا آرڈر دیا۔

”میری بچی کی حالت ابتر ہے.... کھیاں زہریلی تھیں چہرہ اتنا متورم ہو گیا ہے کہ پہچانی نہیں جاسکتی۔ پوری طرح ہوش میں بھی نہیں ہے۔ ریزیڈنٹ بنے سچ مجھے دھکار دیا.... اب میں کیا کروں.... کیا کروں۔“ وہ بازوؤں میں منہ چھپا کر سسکیاں لینے لگا۔

”مجھے بتاؤ۔۔۔ شائد میں کسی کام آسکوں.... تم ریزیڈنٹ کے پاس کیوں گئے تھے بھلا شہد کی مکھوں کے سلسلے میں ریزیڈنٹ کیا کر سکے گا!....!“

”میں کیا بتاؤں.... کاش موتا یہاں نہ آتی.... تین ماہ پہلے کی بات ہے وہ ملازمت کا اشتہار دیکھ کر یہاں آئی تھی۔ ہزہائی نس کے سیکریٹریٹ میں چار آسمایاں خالی تھیں۔ معقول تنخواہ اور دوسری آسائش کے لالچ میں وہ بھی ایلٹائی کر بیٹھی تھی۔ انٹرویو کارڈ آیا اور وہ دارالحکومت سے یہاں آئی۔ انٹرویو میں کامیاب ہوئی اور فوری طور پر تقرر بھی ہو گیا۔ لیکن وہ سب فریب تھا.... ہزہائی نس اول درجے کا سور ہے!“

”ذرا آہستہ بولو پیارے....!“ حمید نے اُس کے ہاتھ پر چھکی دی۔ اتنے میں ویٹر برانڈی بھی لایا.... اور گلاس میں سائیفن سے سوڈے کی دھار ماری۔

بوڑھا دو چار چسکیاں لینے کے بعد کرسی کی پشت سے ٹک گیا چند لمحے سر اٹھائے چھت کی طرف گھورتا رہا پھر تیزی سے آگے جھکا اور میز پر کہنیاں ٹیک کر حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔ ”میں ہزہائی نس کو قتل کر دوں گا.... اگر موتا کا چہرہ بگڑ گیا.... میں اُسے زندہ دفن کر دوں گا.... جانتے ہو وہ کتنا کمینہ ہے.... جب لڑکیاں اُس کی طرف متوجہ نہیں ہوتیں تو وہ انہیں اسی قسم کی اذیتیں دے کر مار ڈالتا ہے.... یہ بات مجھے موتا ہی سے معلوم ہوئی تھی یہاں آکر.... وہ ایک شریف بچی ہے.... ضدی بھی ہے.... مر جائے گی۔ لیکن سر نہیں جھکائے گی.... اُسے آمادہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ انکار پر سزا ملی کہ ملازمت سے برطرف کر دیا گیا اور کہا گیا کہ وہ اسٹیٹ سے باہر قدم نہ نکال سکے گی.... یہی ہوا.... اُس نے مجھے خط لکھا کہ میں فوراً پہنچوں اور فلیٹی ہوٹل میں اُس سے ملوں.... خط میں اُس نے اصل واقعہ کی طرف اشارہ

بک نہیں کیا تھا.... ورنہ میں اس طرح تنہا نہ آتا۔

آج وہ زینے طے کر کے اوپر جا رہی تھی۔ پوتھی منزل کے زینوں پر کسی ویٹر نے اُس سے ایک روپیہ مانگا.... اُس نے بیٹھی ہولہائی تھا کہ خونخوار کھیاں ابل پڑیں.... میرے خدا میں کیا کروں.... کس سے فریاد کروں.... ریزیڈنٹ کے سیکریٹری کو میں نے سارے واقعات بتائے تھے اُس نے کہا کہ ریزیڈنٹ بہت مصروف ہے وہ ایک ہفتے تک نہ مل سکے گا۔ اُس لڑکی ہاؤز ڈیٹیلو نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ ریزیڈنٹ بھی ہزہائی نس کے ہاتھوں میں کھ پتی ہے میں کیا کروں تم ہی بتاؤ۔“

ہال کے بلب بجھے پڑے تھے۔ صرف اسٹیج پر تیز قسم کی روشنی کا دائرہ رقصاؤں کے جسموں پر گردش کر رہا تھا۔ غیر ملکی موسیقی کانوں کے پردے پھاڑ رہی تھی۔

یک بیک ایک لمبے ترنگے آدمی نے جو قریب ہی کھڑا ہوا تھا اینگوائڈین کی گردن دیوچی اور اُسے اس طرح کرسی سے اٹھالیا جیسے وہ ایک حقیر سا بندرچہ ہو۔

اینگوائڈین پلٹ پڑا۔ لیکن اُسے اتنی مہلت نہ مل سکی کہ وہ اپنے ہاتھوں کو استعمال بھی کر سکتا۔ قریب ہی کی میز سے دو آدمی اور بھی اٹھ کر اُس سے لپٹ گئے تھے۔

”یہ کیا ہو رہا ہے....!“ حمید دباڑتا ہوا اٹھا۔

”شٹ اپ....!“ لمبا آدمی غرایا۔ ”اٹ ازان دی نیم آف ہزہائی نس....!“

اُس پاس بیٹھے ہوئے لوگ صرف گردنیں اونچی کر کے انہیں دیکھتے رہے۔ کوئی اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں۔ اینگوائڈین چیخ رہا تھا حلق پھاڑ رہا تھا.... لیکن غیر ملکی موسیقی اُس کی چیخوں سے بھی زیادہ بلند آہنگ ہوتی گئی۔

وہ اُسے کھینچ لے گئے۔ حمید چند لمحے صامت کھڑا رہا پھر تیزی سے صدر دروازہ کی جانب بڑھ گیا۔

باہر لان پر وہ کسی مردے کی طرح گھسیٹا جا رہا تھا.... اب اُس کے حلق سے صرف کریناک قسم کی غراہٹیں نکل رہی تھیں۔

ایک بڑی سی اسٹیشن وگن کا پچھلا دروازہ کھلا اور اُسے اس میں دھکیل دیا گیا۔

حمید بھی ٹیکسیوں کی طرف بڑھائی تھا کہ کسی نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا وہ جھلا کر

ہزہائی نس کے نام پر

”ضرورت باقی نہیں رہی....!“

”میں اس بوڑھے کے لئے پریشان ہوں۔“

”ہم بوڑھے کے لئے یہاں نہیں آئے....!“ فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔

وہ ڈانٹنگ ہال میں آئے۔ حمید چند لمحے خاموش رہا پھر شہد کی مکھیوں کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

”فی الحال یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ ان مکھیوں کا تعلق مکھی کی تصویر سے بھی ہوگا

جس کے لئے ہم یہاں آئے ہیں۔“

”شہد کی مکھی کی تصویر کا مقصد بھی بتائیے گا یا میں بھی اسٹیج پر پہنچ کر دیسی ہلا گلا شروع کر دوں۔“

فریدی نے اسٹیج پر کو لہے منکانے والیوں پر ایک اپچی سی نظر ڈالی اور بولا۔ ”یہ تصویر

در اصل ایک قسم کا امتیازی نشان ہے! اگر وہ کے افراد ایک دوسرے سے کماحقہ واقف نہیں اس

لئے اس تصویر کے ذریعہ آپس میں رابطہ قائم کرتے ہیں۔“

”کیا ان کا مرکز رتن پور ہی ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”شائد....!“ فریدی کا مختصر سا جواب تھا۔

”کر وہ کس قسم کا ہے....!“

”لو کیوں کا انوار ان کے خاص مشاغل میں سے ہے۔“

”تب تو یہ سور کا بچہ.... یہ ہربائی....!“

”نتائج نہ اخذ کرو....“ فریدی نے اُسے جملہ نہ پورا کرنے دیا۔

حمید نے پاپ میں تمباکو بھرتے ہوئے ایک بار پھر مقتولہ کا تذکرہ شروع کر دیا۔

”کلا....!“ فریدی نے طویل سانس لی۔ ”اس کا نام کلا تھا۔ اُس کے شوہر نے بتایا کہ وہ اور

رجنی گہری دوست تھیں۔ کلا بھی ٹرس تھی اور ان دونوں نے چند سال رتن پور ہی کے ایک

ہسپتال میں گزارے تھے۔ یہ شادی سے پہلے کی بات ہے۔ کسی تصویر کے متعلق وہ کچھ نہیں بتا سکا۔“

”تو یہ قتل کسی تصویر ہے کے لئے ہوا تھا....!“

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید تھوڑی دیر تک پاپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا پھر چونک کر

بولا۔ ”میں سمجھا تھا شائد مجھ سے الگ رہ کر ان لوگوں پر نظر رکھنا چاہتے ہیں....!“

”ختم کر دو.... کتنی بار پوچھو گے.... ہاں مجھے جو کچھ معلوم کرنا تھا کرچکا.... وہ مجھے بھی

مڑا.... لیکن کچھ کہہ نہ سکا.... کیونکہ اس طرح پیش آنے والا فریدی تھا۔

”انرجی برباد کرنے کی ضرورت نہیں۔!“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”جلد ہی ہمیں معلوم

ہو جائے گا کہ وہ اُسے کہاں لے گئے ہیں۔“

”آپ کی دلچسپی کی وجہ....!“ حمید نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

”یہاں میں پہلے کبھی نہیں آیا۔“

”کیا بات ہوئی۔“

”پہلے کبھی آیا ہوتا تو ساری دلچسپیاں پہلے ہی ختم ہو گئی ہوتیں۔“

”یہاں نہیں چلے گی....!“ حمید نے اوپری ہونٹ بھیج کر کہا۔ ”وہ اُسے کسی خارش زدہ کتے

کی طرح گھسیٹ لے گئے تھے ہربائی نس کے نام پر.... آس پاس کی باوردی پولیس آفیسرز موجود

تھے کسی کے کان پر جوں تک نہ رہ سکی۔“

”وہ وائسرائے کا کلاس فیلورہ چکا ہے آکسفورڈ میں....!“

”اس لئے ریزیڈنٹ کا بھی دم نکلتا ہے اس کے نام پر....!“ حمید نے اطلاع دی۔

”مجھے علم ہے....!“

”آپ یہاں کب سے مقیم ہیں۔“

”دوسرے دن میں بھی چل پڑا تھا۔“

”ساتھ آنے میں کیا دشواری تھی۔“

”صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ باخبر ہیں یا نہیں....؟“

”پھر....؟“

”قطعی طور پر باخبر ہیں! انہوں نے اندازہ کر لیا ہے کہ ہم مقتولہ کے کوادرٹیکس طرح

پہنچے ہوں گے.... یہی معلوم کرنے کے لئے وہ تمہاری نگرانی کر رہے تھے! آج اتفاق سے تم ایک

رومال پر شہد کی مکھی کی تصویر دیکھ کر گڑبڑا گئے۔“

”میں یہاں لان پر سردی محسوس کر رہا ہوں۔“ حمید نے غصہ سے دانت کٹکٹائے۔

”آؤ.... اب ڈانٹنگ ہال میں چلیں....!“

”کیوں.... الگ رہنے والی اسکیم ختم ہو گئی....!“

”چلتے رہنے حضرات۔“ کسی تیسرے آدمی نے کہا۔ ”ہم آپ کو کوٹھی نمبر بارہ تک ضرور پہنچائیں گے۔ ہمارے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے اگر ہماری اسٹیٹ میں احمد کمال فریدی جیسے آدمی کو کسی قسم کی تکلیف اٹھانی پڑے۔“

”شکریہ.....!“ فریدی کا لہجہ بے حد شیریں تھا۔ ساتھ ہی اُس کے قدم بھی اٹھ گئے۔ حمید کو پھر ایک ویسی ہی اسٹیشن وگن دکھائی دی جیسی اینگلو انڈین کے لئے استعمال کی گئی تھی۔ پچھلا دروازہ کھلا ہی تھا۔ گردنوں پر ریو الوور کے دباؤ نے انہیں چپ چاپ اندر داخل ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ دروازہ باہر سے مقفل کر دیا گیا تھا۔ گاڑی حرکت میں آگئی.....

”بے حد شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔“ حمید نے خوش ہو کر کہا۔ ”وہ دیکھئے سامنے کریٹ میں بیڑ کی بوتلیں بھی رکھی ہوئی ہیں۔“

”گزنک کے لئے تمہارے کباب بھی خاصے لذیذ ثابت ہوں گے۔“ فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

”میں تو ضرور بیڑوں گا..... خدا کی پناہ کیسی سردی ہے۔ میرا خیال ہے کہ بیڑ حرام نہیں ہوتی کیونکہ میں نے اکثر گدھوں کو بھی بیڑ پیتے دیکھا ہے۔“

”جو اس بند کرو..... مجھے سوچنے دو.....!“

”آج تو آپ مجھے ہی سوچنے دیجئے جب آپ یہ جانتے تھے کہ وہ ہمیں اچھی طرح پہچانتے ہیں تو فون پر کوئی پیغام رسیور کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“

”ٹیکسی کا کرایہ بچانا چاہتا تھا۔“

”اوہ..... تو آپ دیدہ و دانستہ.....!“

”کوئی دوسری گفتگو.....!“ فریدی کا لہجہ تحکمانہ تھا۔

”اچھا تو سنئے..... پچھلے سال میں نے ایک لڑکی کے سر پر مینار دیکھا تھا اُس نے کچھ اسی انداز میں اپنے بال سمیٹ کر سر کے وسط میں جوڑا سجایا تھا کہ وہ ایک چھوٹا سا مینار معلوم ہوتا تھا..... لیکن پرسوں کی بات ہے۔“

حمید نے خاموش ہو کر ایک طویل سانس لی اور پھر بولا۔ ”پرسوں ایک ایسی لڑکی بھی عکرائی تھی جس نے اپنے بال سمیٹ کر اس طرح باندھے تھے کہ اپنے لنگڑے گھوڑے کی دم یاد آگئی میں

اچھی طرح پہچانتے ہیں۔“

”میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ آپ نے میک اپ کا چرخیہ کیوں نہیں چلایا..... اوہ ٹھہریے۔“ حمید خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ ”میرے پاس ایک ایسی اطلاع بھی ہے جو آپ کو شاید چونکا دے۔“

”چونکنے کے موڈ میں نہیں ہوں..... خیر بتاؤ۔“

”شائد میں اُس آدمی کو ڈھونڈھ نکالنے میں کامیاب ہو گیا ہوں جس نے میری جیب سے تصویروں کا پیکٹ اڑایا تھا۔“ اُس نے لہک کر کہا۔ ”اور خضران کے متعلق بتانے لگا۔“

فریدی چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا۔ ”ضروری نہیں ہے کہ تمہارا اندازہ درست ہی نکلے۔“

”پھر اُس نے سگار لائٹر کی روشنی میں رسٹ وائچ پر نظر ڈالی اور یہ کہتا ہوا اٹھ گیا۔

”آؤ..... شاید ہمارے لئے کوئی پیغام ہو.....!“

وہ ہوٹل کے ٹیلی فون ایکیجنج میں آئے..... فریدی نے احمد کمال کے نام سے کسی پیغام کے بارے میں دریافت کیا..... جواب میں آپریٹر نے ایک پرچہ اُس کی طرف بڑھا دیا جس پر تحریر تھا۔ ”گرین اسٹریٹ..... کوٹھی نمبر بارہ۔“

میدان عمل

”اس پیغام کا مطلب۔“ حمید نے دروازے سے نکلے ہوئے پوچھا۔

”اینگلو انڈین اس وقت اُسی کوٹھی میں ہے۔“

”پھر اب کیا ارادہ ہے.....“ حمید نے پوچھا۔ وہ لان پر نکل آئے تھے۔

”گرین اسٹریٹ.....!“

”کوٹھی نمبر بارہ بھی فرمائیے سرکار۔“ دفعتاً پشت سے کسی نے کہا اور حمید کی گدی سے کوئی ٹھنڈی سی چیز چپک کر رہ گئی۔

دونوں ہی رک گئے۔ فریدی کے پیچھے بھی ایک آدمی نظر آیا جس نے ریو الوور کی مال اُس کی گردن سے لگا رکھی تھی۔

”یعنی میں دم بخود کھڑا ہوں گا۔“

”قطعاً.....!“

”مصلحت.....؟“

”فضول بکواس نہ کرو۔ جتنا کہا جائے اُس سے زیادہ نہ کرنا۔“ فریدی کی آواز اتنی ہی بچی تھی

کہ حمید کے علاوہ اور کوئی نہ سن سکتا تھا۔

”پھر میں اپنے بچاؤ کے لئے کیا کروں گا۔“

”مجھ سے نفرت کا اظہار اور انکا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش۔“

”اور اگر کام آگیا تو.....!“

”میں صبر کر لوں گا.....؟“ فریدی کی سنجیدگی برقرار رہی۔

پھر وہ دونوں ہی کسی سوچ میں گم ہو گئے۔ انجن کے ہلکے سے شور کی یکسانیت حمید کے ذہن کو بیداری کی سطح سے نیچے لئے جا رہی تھی کچھ دیر بعد یک بیک اُس نے جبر جھری لی اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا..... کم قوت والے بلب کی دھندلی سی روشنی میں فریدی کے چہرے پر اُسے نہ جانے کیوں اجنبیت سی نظر آرہی تھی۔

”ہوشیار.....!“ فریدی آہستہ سے بولا۔ حمید نے بھی محسوس کیا تھا کہ گاڑی کی رفتار کم ہو رہی ہے۔

گاڑی کے رکنے کے دھچکے کے ساتھ ہی فریدی ایک جانب تھوڑا سا جھکا اور پھر اُسی پوزیشن میں ساکت و صامت ہو گیا..... ایسا مغلوم ہو رہا تھا جیسے اُس دھچکے کے ساتھ جسم و روح کا رابطہ بھی منقطع ہو گیا۔

حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔ پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی نے دروازہ کھولا۔

”نیچے آؤ.....!“ تحکمانہ لہجے میں کہا گیا۔ ریوالور کی نال اُن کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

فریدی اُسی طرح جھکا ہوا دروازے کی جانب کھسکا اور پھر حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے وہ اُن دونوں مسلح آدمیوں کے درمیان سے تیزتا ہوا گذر گیا۔ اُن دونوں کے سر ایک دوسرے سے ٹکرائے تھے اور پھر جتنی دیر میں وہ سنبھلتے فریدی نے دو فائر جھونک مارے اور پھر اچھا خاصا ہنگامہ برپا

نے پوچھا اس اسٹائل کو کیا کہتے ہیں بولی ”پونی ٹیل“ میں نے کہا تو اردو میں ٹو کی دم کہتے ہوئے کیوں دم نکلتا ہے..... چراغ ہوا گئی کرسی پیچھے نہ کھسکا لیتا تو تھپڑ گال ہی پر پڑا ہوتا۔ کیونکہ نشے میں بھی تھی..... ہا..... کیا مصیبت ہے۔ دس سال پہلے کی گھٹیا چیزیں آج فیشن بن گئی ہیں..... دس سال پہلے میرے گاؤں کی چہادیاں اس طرح اپنے بال باندھا کرتی تھیں..... میرے چچا کی ایک محبوبہ تھی شیو کلی چمدان..... وہ اُس سے اکثر کہا کرتے تھے۔

”اُو شیو کلی او حرافہ یہ سر پر جھاڑو کیوں لٹکالی ہے..... چوٹی گوندھا کر مری جان۔“

”آئی چمدان کا تذکرہ بڑی بد تمیزی سے کر رہے ہو۔“ فریدی مسکرایا۔

”آپ اتنے مطمئن کیوں ہیں.....!“ حمید جھنجھلا اٹھا۔

”بے اطمینانی زمین پر جنت نہیں تعمیر کرتی ہے.....!“

”اب کچھ نہیں پوچھوں گا۔“ حمید پھر جھلا گیا۔

گاڑی کے اس حصے میں اُن دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا..... دفعتاً ریوالور والی سیٹ کی درمیانی دیوار میں ایک چھوٹی سی خلا پیدا ہو گئی اور دوسری جانب سے کسی نے انہیں مخاطب کیا۔ ”سفر طویل نہیں ہے..... میز کے علاوہ سوڈا اور وہسکی بھی وہاں موجود ہیں۔ شوق فرمائیے۔“

”شکریہ.....!“ فریدی نے مسکرا کر جواب دیا۔ ”میں صرف خون پیتا ہوں۔“

”یہ تو بہت اچھی بات ہے..... ہر ہائی ٹس کو جانوروں سے بڑی دلچسپی ہے۔“

”وہ خود کسی زمانے میں پکڑے گئے تھے.....“ حمید نے بڑی سنجیدگی سے سوال کیا۔

”گستاخ.....!“ کوئی دوسرا غرایا۔ ”خاموش رہو..... ورنہ زبان گدی سے کھینچی جائے گی۔“

”خاموش رہو.....“ فرزند ابھی ہم خود ہی دیکھ لیں گے کہ وہ کس پائے کا جانور ہے؟“ فریدی

بولا..... ساتھ ہی اگلی نشست والی کھڑکی بھی بند ہو گئی۔ حمید پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر

بولا۔ ”بھاگتے..... راستہ نہ ملے گا۔“

”میرا ابھی یہی خیال ہے..... لیکن اب کیا ہو سکتا ہے..... پھر بھی انتیاد رکھو کہ تم زیادہ ہاتھ پیر نہیں ہلاؤ گے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”اگر میں گاڑی سے اترتے ہی کچھ شروع کر دوں تو میرے ہاتھ بنانے کی ضرورت نہیں۔“

”فوراً ہوش میں آنا چاہئے۔“ کوئی غریبا۔

”آن داتا.... چوتھا منٹ نہیں گزرنے دے گا۔“ گڑگڑا کر جواب دیا گیا۔ حمید نے سوچا اچھی بات ہے بیٹے ڈاکٹر صاحب میں تمہارے اعتماد کو ٹھیس نہیں لگنے دوں گا۔

اُس نے کراہ کر روٹ بدلی لیکن آنکھیں نہ کھولیں.... پھر وہ اس طرح ہاتھ پیر پیٹنے لگا جیسے کسی نے ادھ کٹی گردن سمیت اُسے تڑپنے کے لئے چھوڑ دیا ہو۔

”کیا یہ مر رہا ہے....!“ بڑی لا پرواہی سے پوچھا گیا۔

”پپ.... پتہ نہیں.... ان داتا....!“

”شراب....!“ شاید یہ چڑے کے چابک کی آواز تھی، کسی کے حلق سے تملائی ہوئی سی چیخ نکلی اور پھر کہا گیا۔ ”تو نہیں جانتا کہ یہ مر رہا ہے.... ڈاکٹر ہے.... تو.... اسٹیٹ نے تجھ پر ہزاروں خرچ کئے ہیں.... حرام خور....!“

”شراب....!“ پھر چابک کی آواز.... لیکن اس بار شاید پٹنے والا خود پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

حمید نے سوچا اب اٹھ ہی جانا چاہئے۔ بہر حال وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ لیکن فوراً ہی آنکھیں کھول دینے کی بجائے جھومتا ہوا بڑبڑایا۔ ”خواہ تم مجھے مار بھی ڈالو.... میں اب اس ملازمت میں نہیں رہ سکتا.... مارو.... ہاں مارو.... اس بار اتنے زور سے میرا سر ٹکراؤ کہ اُس کے پر خچے اڑ جائیں.... انسپکٹر.... تم مجھے مجبور نہیں کر سکتے۔“

ایک بیک کسی نے اُسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور پھر اُس نے آنکھیں کھولیں لیکن تھوڑی دیر تک اس انداز میں آنکھیں پھاڑتا رہا جیسے کچھ دکھائی ہی نہ دیتا ہو۔ حالانکہ وہ اُس وحشت زدہ آدمی کو بخوبی دیکھ رہا تھا جس کے ہاتھ میں بٹے ہوئے چڑے کا لمبا سا چابک تھا۔

”سیدھے کھڑے ہو جاؤ....!“ دفعتاً ایک آدمی غریبا۔

”مم.... میں کہاں....!“ حمید غلام میں گھورتا ہوا بولا۔

”گورنش بجالاؤ.... تم ہربائی نس کے حضور میں ہو۔“ جواب ملا۔

”اودھ خدایا.... میں کس طرح تیرا شکر ادا کروں۔“ حمید کی ایکٹنگ شاید ار تھی.... وہ اچھل

کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس طرح جھکا جیسے منہ کے بل گر پڑے گا۔

ہو گیا۔ پے در پے فائر.... اور چیخیں.... حمید نے اوسان خطانہ ہونے دیئے.... وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فرید کی کیا چاہتا ہے.... اس لئے وہ چپ چاپ گاڑی ہی میں بیٹھا رہا۔ حالانکہ جیب میں ریوالور موجود تھا۔

اُس کا اندازہ تھا کہ گاڑی کسی عمارت کی کپاؤنڈ میں روکی گئی ہے۔ ”وہ گیا.... وہ اُدھر....!“ کوئی چیخا اور بیک وقت کئی فائر ہوئے۔ حمید نے سوچا اس طرح بیٹھے رہنا تو مناسب نہیں ہے.... قطعی غیر منطقی کہ ایک ساتھی تو اس طرح نکل گیا اور دوسرا ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا.... وہ کبھی یقین نہ کریں گے کہ اس میں بھی کوئی چال نہ ہوگی۔ پھر کیا کیا جائے؟ اُس نے چاروں طرف دیکھا.... بالآخر ایک ایسی جگہ نظر آئی گئی جس سے سر ٹکرا دینے پر پیشانی کی کھال یقینی طور پر پھٹ جاتی۔

پھر قبل اس کے کہ کوئی گاڑی کی طرف دوبارہ متوجہ ہو تا وہ فرش پر ڈھیر نظر آیا.... پیشانی سے خون کی چادر چہرے پر آئی تھی۔

وہ مطمئن تھا کہ سردی کی شدت کی وجہ سے خون کی زیادہ مقدار ضائع نہ ہو سکے گی۔ زخم پر خون جلد ہی جم جائے گا۔

پیشانی درد سے پھٹی جا رہی تھی۔ لیکن چوٹ اتنی شدید بھی نہیں تھی کہ وہ بیہوش ہو جاتا۔ ویسے مقصد یہی تھا کہ وہ اُسے بیہوشی ہی کی حالت میں اٹھائیں۔

کچھ دیر بعد اُس نے اپنے قریب ہی آوازیں سنیں.... پہلے کسی نے چیخ کر کہا تھا۔ ”دوسرا گاڑی ہی میں بیہوش پڑا ہے۔“

پھر وہ اُسے گاڑی سے اٹھا کر کہیں لائے.... لیکن حمید فی الحال آنکھیں نہیں کھولنا چاہتا تھا۔ کوئی گرج رہا تھا۔ ”حرام زادو ایک آدمی نہ پکڑا گیا.... میں تمہاری بوٹیاں اڑا دوں گا۔ اگر پانچ گھنٹے کے اندر اندر اُس کی لاش میرے سامنے نہ لائی گئی۔“

اس کے جواب میں حمید نے کچھ نہ سنا ویسے اُس کا اندازہ تھا کہ وہاں کم از کم ایک درجن آدمی موجود ہیں۔

”اے ہوش میں لاؤ....!“ وہی آدمی پھر گرجا۔

پھر تین منٹ کے اندر ہی اندر حمید نے اپنے بائیں بازو میں انجکشن کی جھن محسوس کی۔

”ہوں..... ختم کرو..... میں دیکھوں گا۔“ وہ حمید کو گھورتا ہوا بولا۔ پھر ایک آدمی کی طرف مڑ کر کہا۔ ”سکتر صاحب اسے ریچھوں کے کٹہرے میں دھکیل دیا جائے۔“

”ہولی فادر.....“ حمید اچھل پڑا۔ لیکن والٹی ریاست حکم دینے کے بعد اتنی تیزی سے ایک دروازے میں مڑ گیا تھا کہ وہ فریاد بھی نہ کر سکا۔

سیکریٹری بڑبڑا رہا تھا۔ ”یہ احمق خواہ مخواہ خود کو ریچھوں سے نجات دیتے ہیں۔“

”اے تو کیا واقعی.....!“ حمید نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

”ذرا سی دیر میں معلوم ہوا جاتا ہے..... سرکار کو یقین نہیں آیا تمہاری باتوں پر.....!“

”یقین نہ کرنے کی وجہ.....!“ حمید جھلا گیا۔

”آخر تم دونوں نے رتن پور کا رخ کیوں کیا تھا.....؟“ سیکریٹری نے پوچھا۔

”شامت نے گھیرا ہو گا..... میں کیا جانوں..... وہ تو مجھے کسی گدھے کی طرح جوتے پھرتا ہے..... یہ بتائے بغیر کہ کسی فعل کا مقصد کیا ہے۔ پہلے اُس نے مجھے یہاں نہ صرف یہ کہہ کر بھیجا تھا کہ میں فلیٹی میں قیام کروں..... پھر خود بھی آپہنچا..... اور یہیں آکر بتایا کہ وہ کملا کے قاتلوں کی تلاش میں ہے..... کہنے لگا کہ اس میں ہزبائی نس کا ہاتھ بھی ہو سکتا ہے..... میں نے کانوں پر ہاتھ رکھے اور اُسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگا کہ اگرچہ یہ حقیقت ہے تو ہمیں چپ چاپ یہاں سے چلے جانا چاہئے..... بھلا ہزبائی نس سے کوئی ٹکڑے لے سکے گا۔“

سیکریٹری چند لمحے حمید کو گھورتا رہا پھر بولا۔ ”ہزبائی نس کے علاوہ اور کوئی بھی اُس پیکٹ میں لپچی نہیں لے سکتا۔ لیکن وہ پیکٹ ہزبائی نس تک نہیں پہنچا۔“

”ہوں.....!“ حمید نے کچھ سوچتے ہوئے سر کو جنبش دی..... ”کملا کے کوارٹر میں شاید وہ پیکٹ بھی تلاش کیا گیا تھا۔“

”تمہیں ان باتوں سے سروکار.....!“ سیکریٹری غرایا۔

”قطعی نہیں..... لیکن شاید میں کوئی کام کی بات بتا سکوں۔“

”یعنی.....!“

”وہ پیکٹ تمہارے ہی کسی آدمی نے مجھ سے چھینا تھا.....!“

”بکواس..... اس طرح وہ ہزبائی نس تک ضرور پہنچا ہوتا۔“

”ہوں..... کیا بک رہے تھے تم۔“ وحشت زدہ والٹی ریاست نے چابک کو جنبش دی۔

”اُن داتا..... مجھے امید نہیں تھی کہ حضوری حاصل ہو سکے گی۔“

”کیوں.....؟“ بائیں ابرو میں تناؤ پیدا کرتے ہوئے پوچھا گیا۔

”وہ درندہ ہے..... اپنی دانست میں تو اُس نے وہ حملہ مار ڈالنے ہی کے لئے کیا تھا۔“

”کس نے.....!“ ہزبائی نس کا لہجہ نرم تھا۔

”میرے پاس فریدی نے..... وہ درندہ ہے..... ان داتا..... میں اُسے سمجھا رہا تھا کہ رتن

پور کی بہت بڑی سرکار ہے..... جہاں لاٹ صاحب کی دال بھی نہ گلتی ہو وہاں ہم مسخرے کس شمار

و قطار میں ہوں گے۔ لیکن..... اُس نے ایک نہ سنی۔ پھر جب ہم یہاں لائے جا رہے تھے تو میں

نے راستے میں اُسے سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ اگر ہم سرکار میں پہنچتے ہی معافی مانگ لیں تو

شاید بخش دیے جائیں..... بس ان داتا..... وہ کسی بھوکے شیر کی طرح پھر گیا۔ کیسی حیوانیت

تھی اس کے حملے میں..... میرے خدا۔“

حمید نے آنکھیں بند کر لیں اور اس کا جسم کانپنے لگا۔

”چند لمحے خاموشی رہی پھر رتن پور کا والی غرایا۔ ”تصویروں کا پیکٹ کہاں ہے۔“

”سرکار..... وہ تو کسی نامعلوم حملہ آور نے مجھ سے چھین لیا تھا۔“

حمید نے کہا اور پوری کہانی دہرا دی۔ پھر چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ ”میں بالکل بے قصور

ہوں سرکار مفت میں مارا جاؤں گا۔ اگر کبھی اس ملازمت سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرتا

ہوں تو وہ دھمکی دیتا ہے کہ ساری عمر جیل میں سزا دے گا۔ وہ کتنا بڑا سازشی ہے..... میں ہی

جانتا ہوں۔“

”بکواس بند کرو..... یہاں جھوٹ بولنے کی سزا موت ہے۔“

”سیس..... سرکار..... ان داتا..... میں کیسے یقین دلاؤں.....!“

”تصویروں..... تم نے دیکھی تھیں.....!“

”دیکھی تھیں ان داتا.....!“

”کس قسم کی تصویریں تھیں.....؟“

”قسم..... قسم..... میں نہیں سمجھا سرکار..... یعنی کہ بس ویسی ہی جیسی.....!“

”میں اس وقت نشے میں تھا محترمہ....!“
 ”کب....؟“ روزانے تجاہل سے کام لیا۔
 ”وہی کمرے والی بات....!“

”ارے وہ تو کچھ نہیں....!“ روزانہ ہنس پڑی۔ ”میرا کام ہی یہی ہے کہ ایسے مواقع پر جھڑکیاں سہوں۔ بڑی اچھی تنخواہ مجھے ملتی ہے جناب۔“
 ”اوہ.... کتنا گرا طر ہے....!“ وہ بھڑائی ہوئی آواز میں اس طرح بڑبڑایا جیسے خود سے مخاطب ہو۔ پھر بڑی لجاجت سے بولا۔ ”کیا آپ میرے لئے تھوڑا سا وقت نکال سکیں گی۔“
 ”ضرور.... ضرور.... تشریف لائیے۔“ روزانہ کمرے کا قفل کھولنے کے لئے آگے بڑھتی ہوئی بولی۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں سنگ روم میں نظر آئے۔ خضران سر جھکائے بیٹھا تھا اور روزانہ مضطربانہ انداز میں بار بار پہلو بدلتی رہی تھی۔ بالآخر جب وہ بہت زیادہ گھٹن محسوس کرنے لگی تو اُسے ہی پہل کرنی پڑی۔

”فرمائیے میں کیا خدمت کر سکتی ہوں....!“
 ”اب اور زیادہ شرمندہ نہ کیجئے۔“ اُس نے سر اٹھا کر کہا۔ روزانہ کو اُس کی آنکھوں میں موٹے موٹے قطرے نظر آئے....

”مم.... میں نہیں سمجھی جناب....!“
 خضران نے دوسری طرف منہ پھیر کر آنکھیں پونچھیں اور پھر اُس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔
 ”مجھے نشے میں بہت جلد غصہ آ جاتا ہے.... پھر نارمل حالت میں اتنی شرمندگی ہوتی ہے کہ خود کشی کر لینے کو دل چاہتا ہے۔“

”اوہ.... کوئی بات نہیں ہے، آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ میں نے بُرا نہیں مانا تھا۔“
 دفعتاً کسی نے دروازے پر دستک دی اور وہ چونک پڑے۔

”کم ان....!“ روزانے کہا دروازہ کھلا اور دو آدمی اندر داخل ہوئے.... روزانہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی.... وہ اُن کے سینوں پر لگے ہوئے سرخ رنگ کے بیجوں کو گھورے جا رہی تھی۔
 ”تت.... تشریف رکھئے جناب....!“ اُس نے اُن سے کہا وہ بیٹھ ہی رہے تھے کہ خضران

”نہیں سمجھے.... ہلا....!“ حمید نے قہقہہ لگایا۔ ”نہیں سمجھ سکتے۔ میں پوری طرح سمجھ گیا ہوں۔“
 ”لے چلو....!“ سیکریٹری دوسروں کی طرف دیکھ کر غرایا۔

”سنو پیارے....!“ حمید کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ نظر آئی۔ ”ہم تو سر ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں۔ لیکن میری موت تمہارے ہزہائی نس کے لئے بڑی پریشانیاں لائے گی۔“
 اُس کی طرف بڑھتے ہوئے قدم رک گئے اور سیکریٹری غرایا۔ ”کیوں؟“
 ”مجھے کسی غدار کی پرچھائیں نظر آرہی ہے۔“ حمید یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ چند لمحوں کے بعد گھور تارہا۔ پھر سیکریٹری کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ ”بلاشبہ وہ تمہارا ہی کوئی آدمی تھا جس نے میری جیب سے پکٹ نکالا تھا لیکن....!“

حمید نے قہقہہ لگایا۔ لیکن جلد ہی سنجیدگی اختیار کر کے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔
 ”وہ ہزہائی نس کو.... بلیک میل.... کرے گا۔“

بالکل ایسا ہی معلوم ہونے لگا جیسے حمید کے یہ الفاظ بمبوں کی طرح اُن کے سروں پر پڑے ہوں۔ قبرستان کا سانسنا چھا گیا۔ پھر دفعتاً دروازے کی جانب سے آواز آئی۔ ”تھہرو۔“
 رتن پور کا والی دروازے میں کھڑا حمید کو گھور رہا تھا۔
 حمید ایک بار پھر بوکھلائے ہوئے انداز میں جھٹکا چلا گیا۔

”سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔“ اس بار وحشت زدہ والٹی ریاست کے لہجے میں نرمی تھی۔ وہ حمید کو پھر گھورنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اُس کے ذہن کی گہرائیوں میں اترنے کی کوشش کر رہا ہو۔ یک بیک اُس نے کہا۔ ”میرے ساتھ آؤ۔“ اور دوسری طرف مڑ گیا۔



روزانہ اتنی تھک گئی تھی کہ صرف ایک ہی منزل کے زینے بے حد گراں گزے وہ اپنے کمرے کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ غالباً قفل کھولنے سے پہلے کچھ دیر دم لینا چاہتی تھی.... دفعتاً کسی نے اُس کا شانہ چھو کر کہا۔

”مجھے بے حد افسوس ہے۔“
 وہ چونک کر مڑی سامنے خضران کھڑا تھا۔ ٹھنڈی سی لہر اُس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی۔
 ”مم.... میں نہیں سمجھی جناب۔“

روز اسے اجازت طلب کر کے اٹھ گیا۔ اُس نے اُن دونوں کو دیکھتے ہی اپنی ناک پر رومال رکھ لیا تھا اور دوبار چھینکا بھی تھا۔

اُس کے چلے جانے پر روزانے بڑے خوفزدہ انداز میں اُن لوگوں کی آمد کا مقصد پوچھا تھا۔

”تیسری منزل کے خضران نامی کسی آدمی کے بارے میں پوچھ گچھ کرنی ہے۔“

”خ... خضران... وہ تو... وہ ابھی آپ کے سامنے یہاں سے اٹھے ہیں۔“

”کیا...؟“ دونوں نے بیک وقت کہا اور اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ پھر وہ اتنی تیزی سے باہر

نکل گئے تھے کہ روزا کے ہونٹ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ غالباً اُس نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

آنکھوں میں الجھن کے آثار لئے وہ ہاتھ روم کی طرف مڑ گئی۔



رتن پور کا والی حمید کو گھور رہا تھا اور حمید اس طرح سر جھکائے بیٹھا تھا جیسے اس سے پہلے بہت

کچھ سنتا رہا ہو۔

دفعتاً پرنس غرایہ۔ ”اگر یہ بات غلط نکلی تو میں تمہارے ٹکڑے اڑا دوں گا۔“

”س... سرکار...!“ حمید ہٹکایا۔ ”میں نے تو عرض کیا تھا کہ وہ نامعلوم حملہ آور

خضران بھی ہو سکتا ہے۔ میں نے یقین کے ساتھ تو نہیں کہا۔“

”اچھا تو یہی ثابت کرو کہ میرا کوئی آدمی مجھے بلیک میل کرنا چاہتا ہے۔“

”وقت ثابت کرے گا سرکار... میں جادوگر تو نہیں ہوں لیکن ذہنی تربیت بھی کوئی چیز

ہے۔ ہزاروں ایسے کیس نظروں سے گذرے ہیں پچھلے سال ایک گدھے نے اس زور سے لات

ماری تھی۔“

”بکواس بند کرو۔“

”سن تو لیجئے سرکار... وہ ایسا عظیم الفرصت گدھا بھی نہیں تھا کہ خواہ مخواہ لات مار دیتا...“

اسے مجبور کر دیا گیا تھا کہ وہ لات مارے۔“

”کیا تم نشے میں ہو...“ پرنس نے خوشخوار لہجے میں کہا۔

”سرکار پوری بات سن لیں۔ لات کھانے کے بعد میں تو یہ حواس ہو گیا تھا لیکن کسی ہوش

مند نے میری جیب صاف کر دی تھی... تو کہنے کا یہ مطلب کہ جو شخص آپ کو بلیک میل کرنا

چاہتا ہے وہ کھل کر کبھی آپ کے سامنے نہیں آئے گا۔ کسی ایسے آدمی کو سامنے لائے گا جسے آپ

جانتے نہ ہوں۔“

پرنس کسی سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ دیر تک اُس کی انگلیاں کرسی کے ہتھکے پر چلتی رہیں۔ پھر وہ

حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا فکر مند لہجے میں بولا۔

”مگر اُس پیکٹ کی اہمیت سے میرا کوئی آدمی بھی واقف نہیں۔“

”سرکار... سرکار... سرکار... سرکار...!“

”کیا جانتے ہو...!“

”جس پیکٹ کے لئے ایک قتل ہو گیا ہو اس کی اہمیت کا کیا پوچھنا... ایک بار ایک لڑکی نے

مجھے آنکھ ماری تھی۔“

”شٹ اپ...!“

”یقین کیجئے کہ وہ لڑکی ہرگز نہیں تھی۔ لڑکی کی ماں تھی... لڑکی تو...!“

دفعتاً ایک آدمی پردہ ہٹا کر کمرے میں داخل ہوا... اور تعظیماً جھک کر بولا۔ ”ریڈ بیجز...“

یورہائی لیں...!“

”آتے دو...!“ پرنس نے اُس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

اُس کے جانے کے بعد ہی دو آدمی اندر آئے... ان کے سینوں پر سرخ رنگ کے بیجز

لگے ہوئے تھے۔

”اُن داتا...!“ اُن میں سے ایک بولا۔ ”خضران نام کا ایک آدمی فلیٹی میں موجود تھا۔ ہم

نے اُسے ہاوز ڈیکلو کے کمرے ہی میں دیکھا... لیکن اُس نے ہمیں دیکھتے ہی اپنا منہ رومال سے

ڈھانک لیا تھا۔“

”وہ کہاں ہے؟ کم سے کم الفاظ استعمال کرو۔“ پرنس دہاڑا۔

”وہ تو ہمیں دیکھتے ہی اٹھ گیا تھا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ ہمیں جس آدمی کی تلاش تھی وہ...!“

”نکل گیا نا...!“ پرنس اپنی ران پر ہاتھ مار کر کھڑا ہو گیا۔

”سسرکار اگر ہم اُسے پہچانتے ہوتے...!“

”میں کہتا ہوں بکواس بند کرو... نمک حراموں۔“

وہ دم لینے کے لئے رک گیا۔ نری طرح ہانپ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اب وہ بھی بیہوش ہو جائے گا۔ پلکیں جھکی پڑ رہی تھیں۔ اُس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور پھر بولا۔ ”جب یہ معلوم ہوا کہ وہ خضران تھا تو خیال آیا کہ ہمارے سرخ بیجز پر نظر پڑتے ہی وہ ناک پر رومال رکھ کر.... دو تین بار چھینکا تھا.... اور کمرے سے چلا گیا تھا۔“

”مجھے یقین ہے کہ یہی ہوا ہو گا....!“ حمید نے سر ہلا کر کہا۔ ”وہ بہت چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے.... چونکہ وہ اپنے دانتوں کی وجہ سے ہزاروں میں پہچانا جاسکے گا اسی لئے اُس نے ناک پر رومال رکھ لیا تھا۔“

”میرے ساتھ آؤ....!“ پرنس اٹھتا ہوا حمید سے بولا۔ پھر دروازے کے قریب رک کر زخمی آدمی کی طرف مڑا۔

”اگر تمہاری موت سے پہلے سیکریٹری آجائے تو اسے روم نمبر بارہ میں بھیج دینا۔“

”اُن داتا....!“ وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر منہ کے بل فرش پر چلا آیا حمید پرنس کے پیچھے چل رہا تھا۔

روم نمبر بارہ میں پہنچتے ہی اُس کی عقل گدی سے خارج ہو گئی۔ مغربی طرز کے سازنچ رہے تھے.... اور ڈیڑھ درجن نیم عریاں لڑکیاں چاروں طرف تھرکتی پھر رہی تھیں.... پرنس نے اس جگہ کو روم نمبر بارہ کے نام سے یاد کیا تھا.... لیکن وہ تو ہال تھا اور اتنا بڑا ہال آج تک حمید کی نظر سے نہیں گذرا....

”ارے باپ رے....!“ حمید نے آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ لئے اور چلتے چلتے رک کر اس طرح کانپنے لگا جیسے کوئی سردی کھایا ہوا بکری کا بچہ ہو۔ ساتھ ہی وہ بڑبڑائے جا رہا تھا۔ ”ارے خدا تو نے میرے باپ کے گناہ پچھلے سال ہی معاف کر دیئے ہوں، گے اب میرے گناہ بھی معاف کر دے.... ایکس کیوزمی پلیز.... مائی گوڈ....!“

”کیا بکواس ہے....!“ پرنس نے اُس کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیا۔

”سردی لگ رہی ہے.... یور ہائی نِس....!“ حمید ہاتھ جوڑ کر گڑگڑایا۔ ”ایسی جگہوں پر اکثر مجھے نمونیہ بھی ہو گیا ہے۔“

پرنس نے قہقہہ لگایا۔ لڑکیاں اُن کے قریب آگئی تھیں۔ حمید بدستور آنکھیں بند کئے کانپتا

وہ سر جھکائے کھڑے رہے اور حمید بڑبڑایا۔ ”بہت چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔“

پھر پرنس سے بولا۔ ”سرکار اجازت ہو تو میں بھی ان سے کچھ پوچھوں۔“

پرنس جو قہر آلود نظروں سے اُن دونوں کو گھور رہا تھا حمید کی طرف متوجہ تک نہ ہوا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے وہاں کسی چوتھے آدمی کے وجود کا علم ہی نہ ہو۔

دفعۃً وہ سر دلچے میں بولا۔ ”تم دونوں دس گز کے فاصلے سے دوڑ کر اپنے سر نکل آؤ۔“

”یور ہائی نِس....!“ حمید نے کچھ کہنا چاہا۔

”شٹ اپ....!“

حمید پھر کچھ نہ بولا.... وہ دونوں ایک دوسرے سے دور ہٹتے گئے.... اور پھر اس طرح رکے کہ دونوں کے چہرے ایک دوسرے کی جانب تھے۔

”جلدی کرو۔“ پرنس نے چڑے کا چابک فرش پر مارتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں جھکے اور اچھل اچھل کر آپس میں سر نکلانے لگے.... حمید کو ہنسی بھی آرہی تھی اور خوف بھی محسوس ہو رہا تھا۔ وہ بھینسوں کی طرح سر نکل کر چپختے اور کراہتے۔ کبھی کبھی ڈھیر بھی ہو جاتے.... لیکن انہیں پھر اٹھنا پڑتا.... جب تک نہ اٹھتے و حشت زدہ حکمران کا چابک اُن پر برستار ہوتا۔

کچھ دیر بعد اُن میں سے ایک قطعی طور پر بیہوش ہو گیا.... تب دوسرا فرش پر دو زانو ہوتا ہوا گڑگڑایا۔ ”یور ہائی نِس.... اس اذیت سے تو یہی بہتر ہے کہ آپ ہمیں گولی ماریں۔“

پرنس نے سوچ بورڈ پر لگے ہوئے ایک سوچ کا پیش بین دلیا۔ کہیں دور سے گھنٹی کی آواز آئی اور ایک آدمی کمرے میں داخل ہو کر کورنش بجالایا۔

”سیکریٹری کو بلاؤ....“ پرنس نے کہا اور اُلٹے پاؤں واپس گیا۔

”سرکار.... اجازت ہو تو اب میں اس سے کچھ پوچھوں....!“ حمید نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ بڑی لاپرواہی سے سر ہلا کر اجازت دی گئی۔

حمید تھکے ہوئے آدمی سے مخاطب ہوا۔

”تمہیں یقین ہے کہ اُس نے تمہیں دیکھ کر ہی منہ پر رومال رکھا تھا یا اُسکی اور کوئی وجہ رہی ہوگی۔“

”مم.... مجھے یقین ہے.... پہلے تو ہم نے خیال نہیں کیا تھا.... لیکن اُس کے اٹھ جانے کے بعد جب ہمیں معلوم ہوا کہ.... وہی خضران....!“

موت سے بھی نہیں ڈرتا۔ لیکن مرنے سے پہلے میری ایک خواہش ضرور پوری ہونی چاہئے۔“
 ”ہوں....!“ پرنس نے سوالیہ انداز میں بھنویں چڑھائیں۔
 ”فریدی کو میرے حوالے کر دیا جائے تاکہ میں اُس کی ہڈیاں توڑ سکوں۔“
 ”کیوں....؟“

”اُس نے مجھ پر بے شمار مظالم کئے ہیں۔ سب سے بڑا ظلم تو یہ کہ میں کنوارا ہی رہ جاؤں گا.... آج تک شادی نہ ہونے دی.... ابھی پچھلے مہینے کی بات ہے ایک جگہ بات لگی تھی۔ وہاں پہنچ کر بھیڑ ماری.... لڑکی والوں سے جزدیا کہ میں چرس پیتا ہوں۔“
 ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کس قسم کے آدمی ہو۔“ پرنس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔
 ”حد ہو گئی سرکار ایک جگہ تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اب تک ساڑھے تین درجن لڑکیوں سے عشق کر چکا ہے.... ساڑھے تین درجن.... ارے باپ رے۔“
 وہ پھر کسی چوٹ کھائے ہوئے مینڈک کی طرح کانپنے لگا۔
 ”تم گدھے ہو۔“

”جی سرکار....!“ حمید نے پھر ہاتھ جوڑ دیے۔ ”لڑکیاں بھی یہی سمجھتی ہیں لیکن....!“
 ”مٹھرو.... تمہیں ایک تماشہ دکھاؤں....!“ وہ سوچ بورڈ کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔
 غالباً اُس نے کسی پیش بین پر انگلی رکھی تھی۔ حمید کی پشت والی دیوار سے ہلکی سی چرچاہٹ بلند ہوئی اور اس نے ایک چور دروازہ نمودار ہوتے دیکھا۔ لیکن ٹھیک اُسی وقت لڑکیوں نے چیخا اور بھاگنا شروع کر دیا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے بھیڑیوں کے گلے میں کوئی بھیڑیا گھس آیا ہو۔
 پرنس نے چابک گھما کر اُن کے مجمع میں پھیکا ایک لڑکی کی ٹانگ چابک سے الجھی اور وہ دھڑام سے فرش پر چلی آئی۔

دوسری لڑکیاں مختلف دروازوں سے باہر نکل چکی تھیں۔ چابک سے الجھ کر گرنے والی اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن اُسے کامیابی نصیب نہ ہو سکی کیونکہ اُس کے گرد چابک کے بلوں میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

وہ چیخ رہی تھی بلبلار ہی تھی.... اور حمید متحیرانہ انداز میں کھوپڑی سہلارہا تھا۔ سمجھ ہی میں

رہا.... جسم کی یہ کپکپاہٹ اب موسیقی سے بھی کسی حد تک ہم آہنگ ہو گئی تھی۔
 پرنس نے لڑکیوں کے نرغے سے باہر جاتے ہوئے انہیں کسی قسم کا اشارہ کیا اور وہ یک بیک حمید پر ٹوٹ پڑیں۔

”ارے.... ارے....!“ حمید نے خواجواہ چیخنا شروع کر دیا۔ ”بب بچاؤ.... بچاؤ.... آق چھین.... ارے چھین.... اچھن.... آق چھین.... مرا سرکار.... نن.... نن.... نن.... نز لے کی تحریک شروع ہو گئی.... آق چھین.... نن.... نمونیہ بھی ہو جائے گا۔“
 وہ اُسے ایک دوسری پردہ کھلتی رہیں۔

پھر کچھ دیر بعد پرنس کی آواز گونجی ”ہٹ جاؤ.... الگ ہو.... نغہ بند کرو۔“
 موسیقی کی لہریں فضا میں ارتعاش پیدا کرتی ہوئی سناٹے میں گم ہو گئیں۔ لڑکیاں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہی تھیں۔

”ہاتھ ہٹاؤ آنکھوں سے....!“ پرنس نے غضب ناک ہو کر حکم دیا اور حمید کے ہاتھ جھٹکے کے ساتھ پہلوؤں میں جھول گئے۔ وہ اس طرح کھڑا تھا جیسے پشت پر کوہان نکل آیا ہو۔
 ”سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔“

حمید کسی بڑکے بولے کی طرح اکڑ گیا۔ پرنس کا سیکریٹری سامنے ہی موجود تھا۔
 ”اُس کا حلیہ پھر بتاؤ.... اور اپنے پاس کا بھی۔“ پرنس نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔ پھر سیکریٹری سے بولا۔ ”نوٹ کرو....!“

حمید نے خضران اور فریدی کے حلقے بیان کئے اور سیکریٹری نوٹ کر تارہا.... جب وہ نوٹ بک بند کر چکا تو پرنس نے اسٹینٹ کی ناکہ بندی کا حکم دیتے ہوئے کہا۔ ”ایک گھنٹے کے اندر اندر یہ حلقے سارے ناکوں پر پہنچ جانے چاہئیں.... ریلوے اسٹیشنوں پر ساری ٹرینیں اُس وقت تک روکی جائیں جب تک کہ اُن کی تلاشیاں نہ ہو جائیں.... اور اس لڑکی روزا کو یہاں حاضر کرو.... اس کے لئے صرف بائیس منٹ دے سکتا ہوں۔“

سیکریٹری تعظیم کے لئے جھکا اور باہر نکل گیا۔
 حمید دم بخود کھڑا تھا۔ پرنس اُس کی طرف مڑا۔ قبل اس کے کہ خود کچھ کہتا حمید ہاتھ جوڑ کر بول پڑا۔ ”سرکار میری بھی ایک عرض ہے میں جانتا ہوں کہ مجھے معاف نہیں کیا گیا.... میں

”مم..... مم..... ارے باپ رنے..... مطلب یہ کہ..... مم میری بھی تو سنئے۔“
”شٹ اپ.....!“ روشندان سے آواز آئی۔

تھوڑی دیر تک پھر سناٹا چھایا رہا۔ پرنس نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ روشن دان سے پھر آواز آئی۔ ”تم اب یہ سوچنا ترک کر دو کہ تمہاری ریاست کے گرد لوہے کی دیواریں ہیں..... اس وقت تمہارے محافظ دستے کی آنکھوں میں دھول جھونکی تھی..... کل تمہیں ایک تھیلے میں بند کر کے شاہد سڑکوں پر بھی گھسیتا پھروں.....!“

پرنس چیخ کر اپنے آدمیوں کو آوازیں دینے لگا۔ لیکن دروازے تو بند تھے۔ شاید انہیں باہر سے نہ کھولا جاسکتا..... روشندان سے قہقہے کی آواز آئی..... اور کہا گیا۔ ”اینگلو انڈین اور اُس کی لڑکی کو اسٹیٹ سے نکل جانے دو..... یہ میرا حکم ہے۔“
”بھواس بند.....!“ پرنس حلق پھاڑ کر چیخا۔

”صرف دو گھنٹے کی مہلت.....!“ فریدی کی آواز آئی۔ ”اگر وہ دونوں دو گھنٹے بعد ریلوے اسٹیشن پر نظر نہ آئے تو میں سچ جج تمہیں تھیلے میں بند کر کے سڑکوں پر گھسیتا پھروں گا..... شب بخیر.....!“

”کچھ تڑپ تڑپ کر سرد ہو چکا تھا..... اور لڑکی ایک گوشے میں دبکی ہوئی بُری طرح کانپ رہی تھی۔“



سرخ بیج والے پرنس کے مخصوص اسٹاف کے لوگ تھے۔ اسٹیٹ کے باشندوں میں انہیں موت کے فرشتوں کے نام سے یاد کیا جاتا۔

راہ چلتے اگر کسی کو کوئی سرخ بیج والا نظر آجاتا تو اُسے موت سانسے کھڑی دکھائی دیتی اور تاد تکیہ وہ اُسے نظر انداز کر کے گذر نہ جاتا اُس پر جانکئی کی سی کیفیت طاری رہتی۔

روزا کو جب یہ معلوم ہوا کہ سرخ بیج والوں سے دوسری ملاقات خود اس کے لئے کسی الجھن کا باعث بننے والی ہے تو اس کا دم ہی تو نکل گیا..... لیکن بے چوں و چرا تعمیل احکام کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

رات پھر اُسے راج محل کے ایک کمرے میں مقید رکھا گیا اور دوسرے دن تقریباً دس بجے

نہ آسکا کہ یہ سب یہ کیا تھا۔ پھر دفعتاً اُس چور دروازے کا خیال آیا جس کے نمودار ہوتے ہی ہنگامہ برپا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے اُس کی طرف مڑا۔ لیکن پھر اس طرح سناٹے میں آگیا جیسے اچانک روح قبض کر لی گئی ہو۔

دروازہ میں ایک ریچھ نظر آیا..... جو پچھلی ناگوں پر کھڑا آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ پرنس نے حمید سے کہا۔ ”ڈرو نہیں..... وہ تمہاری طرف متوجہ بھی نہیں ہوگا۔ سوچ بورڈ پر سرخ رنگ والا بش بٹن دبا دو.....!“

حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں سوچ بورڈ کی طرف جھپٹا..... وہ سچ جج بدحواس ہو گیا تھا۔ بٹن پر انگلی پڑتے ہی ایسا محسوس ہوا جیسے ساری دیواریں دھڑام سے نیچے آ پڑی ہوں..... لیکن واقعہ صرف اتنا سا تھا کہ بٹن دبتے ہی ہال کے سارے دروازے بند ہو گئے تھے..... شاید اُن دروازوں میں اوپر کی طرف خلائیں تھیں جن سے فرش پر تختے پھسل آئے تھے۔

اب پرنس نے لڑکی کو چابک کے بلوں سے آزاد ہو جانے دیا۔ ریچھ پر نظر پڑتے ہی لڑکی نے اور زیادہ چیخا اور بلبلانا شروع کر دیا تھا۔

اب وہ چاروں طرف دوڑتی پھر رہی تھی اور ریچھ اُس کا تعاقب کر رہا تھا۔ ایک بار ریچھ نے جھپٹ کر اُسے دھکا دیا اور وہ فرش پر ڈھیر ہو گئی۔ ریچھ پھر سرودھ کھڑا ہو گیا..... چیختے چیختے لڑکی کا گلارندہ گیا تھا۔

ریچھ دو چار قدم پیچھے ہٹا..... اور دوبارہ لڑکی پر جھپٹنے ہی والا تھا کہ سانسے والے روشندان سے پے در پے فار ہوئے..... ریچھ لڑکھڑایا..... اور ڈھیر ہو گیا..... ایک گولی سینے پر پڑی تھی اور دوسری پھیلے ہوئے دہانہ میں جا گھسی تھی۔

”یہ کون ہے.....!“ پرنس حلق پھاڑ کر دہڑا۔

”احمد کمال فریدی کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے..... نہیں..... نہیں پرنس تم اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرو گے۔ اب بھی ریوالور کی زد پر ہو۔“

پرنس کچھ نہ بولا۔ وہ سائٹ و سامت کھڑا تاریک روشندان کو گھورے جا رہا تھا۔

”حمید..... کانسیئر یزدی گریٹ..... میں تمہارے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا تھا..... خیر دیکھوں گا تمہیں اگر سکا سکا کرنے مارا تو کچھ بھی نہ کیا۔“

پرنس کے حضور میں پیشی ہوئی مقصد اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا کہ خضران کے متعلق پوچھ گچھ کی جاتی.... لیکن پرنس اُسے دیکھتے ہی سیکریٹری پر الٹ پڑا.... ”آلو کے پٹھے.... یہ ہماری رعایا کب سے ہے....!“

”سرکار جاننا چاہتے ہیں کہ تم کب سے نمک خوار ہو....!“ سیکریٹری نے روزا سے پوچھا.... وہ بڑی طرح کانپ رہی تھی۔

”پانچ سال سے.... جناب والا....!“

پرنس نے سیکریٹری کو اس طرح گھور کر دیکھا جیسے کچا ہی چبا جائے گا۔ حمید جو برابر ہی کے صوفے پر بیٹھا تھا جھک کر آہستہ سے بولا۔ ”پانچ سال پہلے تو یہ آفت کی پرکالہ رہی ہوگی سرکار.... یہ سیکریٹری واقعی آلو کا پٹھا معلوم ہوتا ہے۔ بھلا.... بتائیے پانچ سال بعد اسے یہاں لانے سے کیا فائدہ۔“

”ہوں....!“ پرنس غرایا.... اور نصف درجن سرخ بیج والوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”سیکریٹری کو مرغانا دو۔“

”سسرکار.... اُن داتا....!“ سیکریٹری گڑگڑایا لیکن ایک نہ چلی۔ سرخ بیج والے اُس پر ٹوٹ پڑے اور وہ ذرا ہی سی ویر میں مرغانا نظر آیا.... حمید پھر پرنس کی جانب جھکا اور آہستہ سے بولا۔ ”یہ پانچ سال کا خسارہ اُس کی پشت پر کتنا اچھا لگے گا.... سرکار....!“

پرنس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی.... اور اُس نے روزا سے کہا۔ ”مرغے پر سوار ہو جا....!“

”سرکار.... اُن داتا....!“ سیکریٹری مرغانا ہوا.... گڑگڑایا.... لیکن کون سنتا.... روزا کو اُس پر سوار ہونائی پڑا۔ سیکریٹری کراہنے اور چیخنے لگا۔

”پانچ سال زائد ہی سہی سرکار....!“ حمید نے پھر قلابازی کھائی ”لیکن اگر یہ آلو کا پٹھا گر گیا تو وہ پتھاری بھی مفت میں زخمی ہو جائے گی۔“

”ٹھیک ہے....!“ پرنس بڑبڑایا.... چند لمحے سیکریٹری کی کراہیں سنتا اور روزا کی سراپیمگی سے لطف اندوز ہوتا رہا پھر سرخ بیج والوں سے بولا۔ ”یہ گدھا گرنے نہ پائے۔“

”پرنس کچھ اسی قسم کا آدمی تھا۔ حمید کے اندازے کے مطابق اُسے شاید وہ ذرہ برابر بھی

پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ وہ کن حالات سے گزر رہا ہے۔ بس جو سوچھی تو سوچھ گئی.... اب اس وقت روزا کی طبی کا اصل مقصد یہ تھا کہ خضران کے متعلق مزید معلومات بہم پہنچائی جائیں کیونکہ سرخ بیج والوں نے اُسے اُسکے کمرے میں دیکھا تھا۔ لیکن پرنس کی ذہنی رو بہک گئی۔ حمید نے مناسب نہ سمجھا کہ خضران کا تذکرہ چھیڑے بغیر وہاں سے اٹھ جائے۔ ویسے پچھلی رات سے اب تک اُس نے اپنے لئے خاص جگہ بنالی تھی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو روزا اُس مرغ کی پشت پر کیسے نظر آتی۔

فریدی کی پچھلی رات والی ضروری یا غیر ضروری مداخلت ہی حمید کو اس مقام تک پہنچانے کا باعث بنی تھی.... پرنس کو یقین ہو گیا تھا کہ دونوں ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں.... لیکن اس کے باوجود بھی حمید اس پیکٹ کا راز نہ معلوم کر سکا جس کے لئے یہ ہنگامہ جاری تھا.... پھر وہ کیسے سمجھ لیتا کہ پرنس کریم یا خطی ہے۔

اُس نے روزا سے خضران کے متعلق معمولی پوچھ گچھ کرنے کے بعد پرنس سے کہا۔ ”یہ جھوٹی نہیں معلوم ہوتی سرکار.... خضران کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی....!“

پھر وہ وہاں سے اٹھ گئے تھے.... اسکے بعد حمید کو سیکریٹری اور روزا کا حشر نہ معلوم ہو سکا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آرام کر رہا تھا کہ اے۔ ڈی۔ سی نے طبی کا حکم سنایا۔ پرنس اپنی خواب گاہ میں تھا اور حمید کو وہیں طلب کیا تھا۔

حمید نے وہاں پہنچ کر پہلی بار اُس کے چہرے پر فکر مندی کے آثار دیکھے۔ ”بیٹھ جاؤ....!“ پرنس ٹپٹٹا ہوا بولا۔ پھر رکا.... چند لمحے حمید کو گھورتے رہنے کے بعد بولا۔ ”اگر وہ بلیک میلر تمہارے پاس کے ہاتھ آجائے تو کیا ہوگا۔“

”یقیناً بڑی بات ہوگی....!“ حمید نے جواب دیا۔ پھر بولا۔ ”مگر سرکار میں پھر عرض کروں گا ہم اُس آدمی خضران کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ ہو سکتا ہے کہ اُس کی آواز کے سلسلے میں مجھ سے غلطی ہوئی ہو۔“

”نہیں تم بہت ذہین اور باصلاحیت آدمی ہو۔ تم سے غلطی نہیں ہو سکتی۔ یہ دیکھو....“ اُس نے اُس کی طرف ایک لفاظہ اُچھالتے ہوئے کہا.... حمید نے اُسے ہاتھوں پر روک کر خط نکالا.... تحریر تھا۔

”یورہائی نس! مجھے حیرت ہے کہ آپ کے آدمی یک بیک میرے پیچھے کیوں پڑ گئے؟ اسٹیٹ

مال کردوں گا.... اگر یہ کام بن گیا.... اور تمہارا باس تو پھانسی کے تختے پر نظر آئے گا.... بس اسی تصویر کی بناء پر مجھے تھوڑی سی الجھن ہو گئی ہے۔“



رات کے دس بجے تھے.... حمید اور ہربائی نس پیدل ہی ریزیڈنٹ ہاؤس کی طرف چل پڑے.... حمید سوچ رہا تھا کہ کس طرح پیکٹ اپنے قبضے میں کر لے گا.... خضران اور پرنس.... دونوں ہی اُس کے دشمن ثابت ہوں گے.... نہ صرف پیکٹ بلکہ خضران کو بھی تو قابو میں کرنا تھا اُس تو بین کا انتقام بھی لینا تھا کہ اُس نے اُسے اور جگدیش کو کھلونوں کی طرح ٹریٹ کیا تھا۔ مشرقی پھانک کے قریب پہنچ کر وہ رک گئے۔ اب گیارہ بجنے میں دس منٹ باقی تھے.... یہ پھانک کو بھی کی کیا وینڈ کے اُس حصے میں تھا جہاں بے ترتیب جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں اور شاید یہ پھانک کبھی کھولا بھی نہیں جاتا تھا.... پہرہ بھی نہیں ہوتا تھا اس پر۔“

دفعتاً انہوں نے پیروں کی چاپ سنی اور چونک پڑے.... حمید تیزی سے پیچھے ہٹا کیونکہ اسکیم کے مطابق اُسے چھپ کر خضران کو گولی مارتا تھا۔

وہ سوچنے لگا.... حضرت کا کہیں پتہ نہیں.... یہ میدان میرا ہے۔ اُسے پرنس کے قریب ہی دوسرا سایہ نظر آیا.... حمید زیادہ فاصلے پر نہیں تھا.... اس لئے شاید وہ اُس کی سرگوشیاں بھی صاف سن سکتا۔

”میں یہاں موجود ہیں....!“ اُس نے پرنس کی ہلکی سی غراہٹ سنی۔

”اگر کوئی فریب ہو اور ہربائی نس تو نتیجے کے آپ خود ذمہ دار ہوں گے....!“ دوسری آواز جو خضران ہی کی ہو سکتی تھی۔

”پیکٹ نکالو.... میں دس لاکھ لایا ہوں۔“

”لیکن اس کی کیا سند ہے کہ پیکٹ ہاتھ میں آتے ہی وہ آدمی مجھے گولی نہ مار دے گا جو قریب ہی جھاڑی میں چھپا ہوا ہے۔“

”بکواس مت کرو.... تصویر نکالو....!“ پرنس پھر گیا.... اور حمید نے سوچا کہ اُس سے عنقریب کوئی حماقت سرزد ہونے والی ہے.... کہیں ایسا نہ ہو کہ خضران ہاتھ سے نکل ہی جائے.... بس وہ جھپٹ کر جھاڑیوں سے نکلا اور قریب پہنچ کر بولا۔ ”یور ہائی نس اس....“

میں میرا حلیہ جاری کر لیا گیا ہے لیکن میں ایسی جگہ ہوں حضور والا جہاں آپ کے پرندے پر نگر مار سکتے.... میں ریزیڈنٹ کا باورچی ہوں.... آپ کو کھانا میزس تو یاد ہی ہوگی.... اور وہ تصویر بھی۔ میری دانست میں اُس تصویر کی قیمت دس لاکھ ضرور ہونی چاہئے.... ورنہ پھر مفت.... لیکن دوسری صورت میں وہ آپ کے بجائے ریزیڈنٹ کے قبضے میں ہوگی جو آپ سے بے تحاشہ جلا بیٹھا ہے لیکن دائرے کی وجہ سے مجبور ہے.... بہر حال اگر آپ تصویر خریدنا چاہیں تو مجھے انکار بھی نہ ہوگا.... رقم ایک ایک ہزار کے نوٹوں کی شکل میں ہونی چاہئے۔ سودا آج ہی ہو جائے تو بہتر ہے.... گیارہ بجے رات کو مشرقی گیٹ پر میرے منتظر رہئے۔“

حمید نے خط ختم کر کے طویل سانس لی۔ چند لمبے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ریزیڈنٹ آپ کا کیا باز لے گا۔ کیا یہاں جو کچھ بھی ہوتا ہے اُسکی اطلاع اسے نہ ملتی ہوگی۔“ ”وہ دوسرا معاملہ ہے.... تم نہیں سمجھ سکتے۔“ پرنس نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

”کیوں نہ میں ریزیڈنٹ کی کوٹھی میں گھس کر اُسے گولی مار دینے کی کوشش کروں۔“ حمید بولا۔ ”بکواس.... عقل استعمال کرو.... ایسی صورت میں جبکہ وہ مردود.... تمہارا باس بھی ابھی تک گرفتار نہیں ہو سکا۔ میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا.... دس لاکھ ہی کی تو بات ہے ہاں.... سنو ایک اسکیم ہے.... میں تم سے پوری طرح متفق ہوں کہ یہ حرکت میرے ہی کسی آدمی کی ہے۔ اس لئے کوئی دوسرا فراڈ بھی ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر.... خیر جانے دو.... میں اب بہت محتاط رہنا چاہتا ہوں.... خود ہی یہ کام کروں گا.... اور تم میرے ساتھ ہو گے.... کوئی ایسی تدبیر کرو.... کہ ہم نہ صرف پیکٹ حاصل کر لیں.... بلکہ وہ آدمی خضران بھی ختم ہو جائے۔“

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”میک اپ! اس طرح میں اپنے باس سے بھی محفوظ رہ سکوں گا۔“

”ہوں.... اور ہمارے ساتھ بھیڑ بھی نہیں ہوگی صرف میں اور تم.... میں اُس سے پیکٹ لے کر دیکھوں گا.... اگر اُس میں مطلوبہ تصویر موجود ہوئی تو میں بایاں ہاتھ بلند کروں گا.... تم خضران کو گولی مار دینا.... بے آواز رہو اور....!“

”شائد اے یور ہائی نس سے زیادہ عقلمند آدمی اگلی دو چار صدیاں بھی شاید ہی پیدا کر سکیں۔“ ”اچھا تو اب.... جاؤ.... سوچو کہ ہم کس قسم کے میک اپ میں ہوں گے۔ میں تمہیں مالا

فریدی ہی تھا۔ اپنی اصل شکل میں.... اندھیرے میں حمید خضران کی سی آواز سنتا رہا تھا.... پھر شائد پرس کو بھی اُس کی شکل پر غور کرنے کا موقع مل گیا تھا.... وہ چیخنے لگا۔ ”یہ وہ تو نہیں ہے.... اُس کے دانت.... اوہ.... خاموش کیوں کھڑا ہے گدھے.... فائر کرتے ہوئے نکل چلو۔“

”ہوش میں آئیے سرکار آپ میرے پاس کے پھندے میں آچسپے ہیں....!“ حمید نے جواب دیا۔

”اے تو فائر کیوں نہیں کرتا مردود....!“ پرس غصہ سے پاگل ہو گیا۔ اب وہ کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح فریدی کی گرفت سے نکل بھاگے۔

وہ پانچ یوروپین قریب آگئے تھے جنکے ہاتھوں میں بہت تیز روشنی والی برقی مشعلیں تھیں۔

”ارر... ہرکار....!“ حمید پرس کی بات پر دھیان نہ دے کر بولا۔ ”ڈاڑھی سنبھالئے....!“

بیک بیک فریدی نے اُسے سر سے بلند کیا اور زمین پر دے مارا.... لیکن.... حمید کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اُس نے اُسے پیروں ہی کے بل زمین پر نکتے دیکھا.... بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے اُس نے خود ہی خلاء میں جست لگائی ہو اور بے ٹکان اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا ہو۔

”ریوالور ہے اُس کے پاس....!“ حمید بے تحاشا چیخا۔

”پہلے تو ہی جامر دود....!“ پرس نے حمید پر فائر جھونک مارنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ فریدی نے پھر اُس پر جست لگائی.... فائر تو ہوا لیکن ہاتھ بہک گیا.... اور گولی ایک یوروپین کے بازو پر لگی.... وہ ریزیڈنٹ کا سیکریٹری تھا۔

”میں تم سبھوں کو فاکر دوں گا....!“ پرس کسی زخمی بھیڑیے کی طرح غرا رہا تھا۔ ”تم دونوں نے مجھے فریب دیا تھا۔“

”فکر نہیں....!“ حمید نے فریدی کی آواز سنی۔ ”مجھے ایسے ہی شکاروں پر ہاتھ ڈالنے میں لطف آتا ہے جن کا شکار ناممکن ہو۔ تمہارے وہ شکاری کتے کہاں ہیں.... انہیں بلاؤ.... جنہوں نے ایک شیر خوار بچے سے اُس کی ماں چھین لی ہے۔“

”پرس کچھ نہ بولا.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھ کر ہوش و حواس کھو بیٹھا ہو.... یوروپین پہلے تو زخمی سیکریٹری کی طرف متوجہ ہو گئے تھے.... لیکن جب انہیں اطمینان ہو گیا کہ زخم مہلک نہیں ہے تو یک بیک وہ چاروں بھی پرس پر آٹوٹے.... اور

مطمئن کئے بغیر کام نہیں بنے گا.... لو بھی میں بھی تمہارے سامنے ہی آگیا.... نکالو پیکٹ....!“

”ہاں.... اب ٹھیک ہے۔“ خضران بولا۔ ”مجھے یقین ہے کہ آپ دونوں حضرات کے علاوہ اور کوئی نہیں آیا....!“

”وقت نہ برباد کرو.... نکالو....!“ پرس نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

”اب آپ دونوں حضرات اپنے ریوالور بھی میرے حوالے کر دیجئے.... میں احمق نہیں ہوں۔“

”او.... احمق میں تیرا گلا بھی گھونٹ سکتا ہوں۔“ پرس پھر پھر گیا.... حمید نے سوچا موقع اچھا ہے.... دونوں کی کشتی خاصی شاندار رہے گی اور شائد اسی کشتی کے دوران اُس کا کام بھی بن جائے گا.... یعنی پیکٹ کا حصول۔ بس اُس نے پرس کو تاؤ دلانا شروع کر دیا۔

”نہیں سرکار.... یہ خود کو بہت طاقتور سمجھتا ہے.... مجھے اور میرے ساتھی کو اُس نے کھلونوں کی طرح اچھال دیا تھا۔ اے احمق آدمی تو ہمارے سرکار کو چیلنج نہیں کر سکتا۔ وہ تیری گردن شانوں سے اکھاڑ دیں گے۔“

”ابھی تک تو کوئی نہیں ٹک سکا میرے سامنے....!“ خضران کی ہنسی تضحیک آمیز تھی۔

”خاموش....!“ یک بیک پرس اس پر جھپٹ پڑا....

”سرکار ڈاڑھی کا خیال رکھئے گا....!“ حمید نے بڑے اطمینان سے کہا.... اشارہ نقلی ڈاڑھی کی طرف تھا۔ اندھیرے میں اندازہ نہ ہو سکا کہ کون نیچے گرا تھا.... ویسے اُس نے خضران کی آواز سنی جس نے چیخ کر انگریزی میں کہا تھا۔ ”ہاں.... آؤ.... دیکھو....!“

یک بیک چاروں طرف بکھری ہوئی جھاڑیوں میں بھونچال سا آگیا.... تیز قسم کی روشنی اُن پتھروں پر پڑی اور کئی آدمی جھاڑیوں سے برآمد ہوئے۔

”ماز.... فائر کر.... او.... حمید....!“ پرس خضران سے الجھا ہوا چیخا۔

”نہیں.... دوست.... حمید اتنا احمق نہیں ہو سکتا۔“ خضران کا جواب تھا۔ لیکن حمید کو تو احمق بننے کا بھی ہوش نہیں رہا تھا۔ کیونکہ اس بار یہ خضران کی آواز نہیں تھی.... ہرگز نہیں.... اُس نے فریدی کی آواز صاف پہچانی تھی.... تو.... یہ فریدی.... خضران.... خدا کی پناہ.... وہ لڑکھڑا کر ایک درخت کے تنے سے ٹک گیا۔

اور پھر جب ایک بار خضران کا چہرہ روشنی میں آیا تو حمید اور زیادہ بوکھلا گیا.... کیونکہ وہ تو

تراش سکتا ہے! مثال کے طور پر آپ کے آدمی نے اُسے بہت ہی حسین لڑکیوں کی لالچ دلائی.... معاملہ دس لاکھ پر طے ہوا.... اور وہ نووارد کے ساتھ اپنی محل سرا سے باہر آگیا؟“

”میرا خیال ہے کہ پر نرس اس کی قید میں ہے.... میں اُسے برآمد کر لوں گا مطمئن رہئے۔“

”پھر سوچ لو کہ وہ واسرائل کا گہرا دوست ہے۔“ فریدی نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور ریزیڈنٹ کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ”صرف دو گھنٹے تک عمارت کے اس حصے کی طرف کسی کو بھی نہ آنے دیجئے۔“

ریزیڈنٹ متفکرانہ انداز میں سر ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا.... وہ دونوں پھر اُسی کمرے میں آئے جہاں پر نرس بیٹھا دانت پیس رہا تھا۔

”تم دونوں جہاں بھی ہاتھ آئے زندہ نہ چھوڑوں گا۔“ وہ انہیں مکاد کھا کر بولا۔

”چلو یہی سمجھ لو کہ ہم لوگ اس وقت ہاتھ آگئے ہیں۔“ فریدی مسکرایا۔ ”پھر یک بیک سنجیدگی اختیار کر کے بولا۔ ”میرا بس چلے تو تمہیں سکا سکا کر ماروں.... تمہارے مظالم کی حد نہیں تھی.... ملک کے گوشہ گوشہ میں تمہارے شکاری کتے بکھرے ہوئے تھے جن کا کام تھا کہ تمہارے لئے لڑکیاں مہیا کریں.... شہد کی مکھی گروہ کا امتیازی نشان تھا.... گروہ کے وہ افراد جو ایک دوسرے سے ناواقف ہوتے اسی نشان کے ذریعہ آپس میں جان پہچان پیدا کرتے تھے.... کیا میں غلط کہہ رہا ہوں....!“

”میرا احترام کرو حقیر کیڑے....“ وہ پھر فریدی پر جھپٹ پڑا.... لیکن اس زور کا تھپڑ پڑا ہے گال پر کہ توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی بناء پر دوسری جانب والی دیوار سے جا ٹکرایا.... فریدی نے جو پہلے ہی ہوشیار تھا.... جھکاؤ دے کر اس کا یہ حملہ ناکام بنا دیا۔

”اوہ.... سور....!“ وہ دانت پیس کر پھر جھپٹا.... اس بار پیشانی پر ٹھوکر پڑی اور وہ کراہتا ہوا ڈھیر ہو گیا۔

”شاید فرعون بھی تمہارا نام سن کر کان پکڑ لے۔“ فریدی کا لہجہ پُر سکون تھا ”اب مجھے بتاؤ کہ لارڈ دلبہام کی لڑکی کہاں ہے۔“

وہ پھر اٹھ بیٹھا اور دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ غصے کا یہ عالم تھا کہ بس چلنے پر دیواروں کے پتھر تک چبا ڈالتا۔

شائد فریدی کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی کہ وہ دوبارہ اُسے اکھاڑ کر سر سے بلند کرے.... اور اس طرح پنج دے کہ وہ پیروں کے بل زمین پر آنے والا گرنہ استعمال کر سکے۔“

پر نرس کو قابو میں کر لیا گیا۔

”یہ ہے وہ سوٹ کیس جس میں دس لاکھ کے بڑے نوٹ ہیں۔“ فریدی نے زمین پر پڑے ہوئے سوٹ کیس کی طرف اشارہ کیا.... ”اور یہ ہیں اس ریاست کے مالک۔“

اُس نے پر نرس کے چہرے سے پچی کھی نفلی ڈاڑھی بھی الگ کر دی۔



کچھ دیر بعد پر نرس ریزیڈنٹ کی کوٹھی کے ایک کمرے میں نظر آیا۔ ریزیڈنٹ نے فریدی کی کسی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے میں مدد ضرور دی تھی.... لیکن اب اُسکے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اُس نے ایک بار بھی پر نرس سے نظر ملانے کی ہمت نہ کی۔ اب کمرے میں صرف پر نرس، ریزیڈنٹ، فریدی اور حمید موجود تھے۔

”یہ بکواس ہے.... اور یہ تصویر فراڈ ہے....!“ پر نرس دہاڑ رہا تھا۔

”میرے کسی دشمن نے فوٹو گرافی کا آرٹ دکھایا ہے.... یہ ممکن ہے کہ میرے باغ کی یک گراؤنڈ میں کہیں اور کھینچی ہوئی کوئی تصویر کھپا دی جائے.... تم خاموش کیوں ہو.... کیا تمہاری بھی شامت آئی ہے؟ مجھے نہیں جانتے کل ہی انگلینڈ واپس بھجوا دوں گا۔“

وہ خاموش ہو کر ریزیڈنٹ کو گھورنے لگا۔ ریزیڈنٹ نہ تو کچھ بولا اور نہ پر نرس کی طرف نظر ہی اٹھائی۔ اس کی بجائے فریدی سے بولا۔ ”ذرا میرے ساتھ آئیے۔“

حمید بھی فریدی کے ساتھ ہی اٹھ گیا۔ پتہ نہیں کیوں وہ اُن کی عدم موجودگی میں کمرے میں نہیں ٹھہرنا چاہتا تھا.... باہر نکل کر فریدی نے دروازہ بولٹ کر دیا.... پھر وہ راہداری ہی میں رک گئے۔

”مسٹر فریدی کہیں آپ سے غلطی تو نہیں ہوئی۔“ ریزیڈنٹ نے کہا۔

”آخر وہ دس لاکھ لے کر کیوں آیا تھا.... اگر اس کی نظر میں اُس تصویر کی کوئی اہمیت نہیں تھی.... میں نے یہ کھڑا اسی لئے پھیلایا تھا کہ آپ کو یقین دلا سکوں۔“

”لیکن اس کے ساتھ آپ کے آدمی کی موجودگی کھیل بگاڑ دے گی.... وہ اور کوئی بہانہ

فریدی نے حمید کی طرف دیکھا شاید اس سلسلے میں کچھ بولنے ہی والا تھا.... لیکن اُس نے ہاتھ اٹھا کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”خضران کی کہانی پھر سناؤں گا.... بہر حال اس کا مقصد یہی تھا کہ میں پورے گروہ کو اپنی طرف متوجہ کر سکوں۔ لیکن وہ تو کم از کم فریدی اور حمید کی طرف اُسی وقت متوجہ ہو گئے تھے جب کملای لاش دستیاب کی گئی تھی.... ہسپتال میں رجنی کا واقعہ سنایہ بھی معلوم ہوا کہ تم اُس کرنے میں موجود تھے.... جبکہ لیش جب تین بنا چار کی چوٹائی والا پیغام لایا تھا تب ہی میں سمجھ گیا تھا کہ تم نے کچھ شروع کر دیا ہے اور اُسے ٹالنا چاہتے ہو.... لہذا میں نے محبوظ الحواس بن کر اُسے روک رکھا.... تھا.... خیر ختم کرو۔“

وہ پھر خاموش ہو گیا.... پرنس اب بھی دیوار سے لگا ہوا رہا تھا۔ لیکن اس کی نظر فریدی کے چہرے ہی پر تھی۔ آنکھوں سے غیظ و غضب کے ساتھ ہی نفرت کا اظہار بھی ہو رہا تھا۔

ہاں تو پرنس جب میں کملہ کے قتل کا سراغ نکالنے کے لئے یہاں پہنچا تو تمہیں تشویش ہوئی اور تم کھل کر سامنے آ گئے تمہیں اخبارات کے ذریعہ معلوم ہو چکا تھا کہ تصویر میرے ہاتھ نہیں لگی بلکہ اُسے کوئی اور ہی اڑا لے گیا۔ تم نے سوچا کیوں نہ پہلے ہمیں ہی راستے سے ہٹا دو پھر اُس آدمی کی تلاش بعد میں بھی ہوتی رہے گی.... ویسے تم نے یہ بھی سوچا تھا ممکن ہے کہ تصویر والی خیر میں بھی کوئی چال ہو۔ لہذا تمہارے گروہ کی ایک عورت سارجنٹ حمید کے پیچھے بھی لگ گئی تاکہ تمہیں ہماری آمد کا مقصد معلوم ہو سکے.... تصویر میرے پاس موجود تھی.... لیکن میں تمہیں پہچانتا نہیں تھا.... البتہ لارڈ ولہام کی لڑکی کی تصویر اُس کی گمشدگی کے زمانے میں بہت دیکھی تھی اس لئے اُسے پہچاننے میں دشواری نہ ہوئی.... یہاں پہنچا تو تم بھی نظر سے گزرے تب مجھے یہ معلوم ہوا کہ اُس پکٹ کی کوئی تصویر کسی کے قتل کا باعث بن سکتی ہے.... بہت جلدی میں چھان بین کرنی پڑی اور جب تصدیق ہو گئی کہ ولہام کے ساتھ تم بھی شکار کھیل رہے تھے تو یہ کیس گویا نپٹ ہی گیا۔“

فریدی سانس لینے کے لئے رکا ہی تھا کہ پرنس دانت پیس کر غریبا۔ ”بکواس۔“

”فی الحال یہی سہی۔“ فریدی نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور بولا۔ ”پھر میرے لئے مشکل نہیں تھا کہ میں تمہارے محلات میں وہ جگہ نہ تلاش کر لیتا جہاں تصویر کھینچی گئی تھی۔ پھر میں نے مزید پوچھ گچھ شروع کی تو اس نتیجے پر پہنچا کہ لارڈ ولہام کی لڑکی یہاں سرکاری طور پر

”تم یہ مت سمجھو کہ مجھے پوری کہانی کا علم نہ ہو گا۔ کملہ مر چکی ہے.... اُس کی سہیلی رچ بھی تمہارے ہی خوف سے مر گئی۔ پھر کیا ہوا.... کیا یہ کہانی اُن کے بیانات کے بغیر مکمل ہو سکے گی۔ میں نے یہاں کافی چھان بین کی ہے.... کملہ شاہی ہسپتال میں نرس تھی۔ ایک راز اُسے زمر محل میں طلب کیا گیا۔ اُس کے بعد وہ پھر ہسپتال میں واپس نہیں گئی.... یہ تصویر زمر محل ہی کے ایک حصے کی ہے جہاں زہرہ کا بت ہے.... لارڈ ولہام کی لڑکی اور تم تصویر میں زہرہ کے بت ہی کے قریب کھڑے نظر آتے ہو حالانکہ وہ رتن پور کبھی نہیں آئی تھی تم اُسے ترائی کے جنگل سے غائب کر لیا تھا۔ جب تم اُس کے باپ لارڈ ولہام کے ساتھ وہاں شکار کھیل رہے تھے لڑکی بھی شکار کی شائق تھی۔ شکار ہی کھیلنے کی غرض سے انگلستان سے اپنے باپ کے ساتھ آئی تھی۔ وہ بیچارہ اُس کے غائب ہو جانے پر رو تا پینٹا انگلستان واپس چلا گیا تھا کیونکہ اُس نے اُسے یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ لڑکی کو کوئی درد نہ اٹھالے گیا۔ لیکن اُسے تمہارا آدمیوں نے زمر محل میں پہنچا دیا تھا۔ وہاں وہ شاید تمہاری واپسی سے قبل بیمار ہوئی تھی اسی لئے کملہ اور رجنی وہاں طلب کی گئی تھیں.... تم نے اُن دونوں کو بھی نہ چھوڑا.... وہ تمہارے ذلیل برتاؤ کی بناء پر تمہاری طرف سے دل میں خلش لے بیٹھیں۔ اُن دنوں لارڈ ولہام کی لڑکی کی پراسرار گمشدگی کے بڑے چرچے ہو رہے تھے آئے دن طرح طرح کی خبروں کے ساتھ اُس کی تصاویر بھی اخبارات میں شائع ہوتیں۔ غالباً کملہ اور رجنی کسی اخبار میں اُس کی تصویر دیکھ کر معاملے کی تہہ تک پہنچ گئی ہوں گی.... بہر حال وہ جو انتقام کی آگ میں جل رہی تھیں تم دونوں کی تصاویر لینے میں کامیاب ہو گئیں.... اور پھر انہیں یہاں سے نکل جانے کا موقع بھی کسی طرف مل گیا.... لیکن شاید کوئی تیسرا بھی اس راز سے واقف تھا کہ اُن دونوں نے تمہاری تصاویر ڈال دیں.... اس طرح بات تم تک پہنچی.... اور تمہارے شکاری کتے انہیں سارے ملک میں تلاش کرنے لگے.... لارڈ ولہام کی لڑکی کا جبر یہ اغواء معمولی بات نہیں تھی.... تم معزول کر دیئے جاتے۔“

فریدی چند لمحوں کے لئے اُسے دیکھتا اور حقارت سے مسکراتا رہا پھر بولا۔ ”میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ شہد کی مکھیوں والے گروہ کی پشت پر تم خود ہو گے.... کئی بار تمہارے آدمی میرے ہاتھ لگے.... لیکن وہ یہ نہ بتا سکے کہ اُن کی پشت پر کون ہے.... اس بار اتفاق سے ایک کلیو بھی ہاتھ آ گیا۔ یعنی تصویروں کا پکٹ....!“

زمین دیکھنی پڑی۔

”ہمیں تو اب اجازت دیجئے۔“ حمید خالص لکھنوی انداز میں بولا۔ ”ورنہ ہمیں خدشہ ہے کہ آدمیوں کی صحبت میں رہ کر کہیں ہم بھی بھینس نہ ہو جائیں۔“

اُس کے بعد اُس نے دروازہ کھولا اور راہداری میں نکل آیا۔ فریدی نے اس پر اعتراض بھی نہیں کیا تھا۔



دوسرے دن فریدی اور حمید فلیٹی کے ایک کمرے میں بیٹھے اُسی کیس پر گفتگو کر رہے تھے۔

”ولہام کی لڑکی زمرہ محل سے برآمد کر لی گئی ہے۔۔۔۔۔ لیکن اُسے ٹی۔بی ہو گیا ہے شاید ہی دو چار ماہ بھی زندہ رہ سکے۔“ فریدی نے کہا۔

”مگر۔۔۔۔۔ رجنی کیوں مر گئی۔۔۔۔۔!“

”تصور اُس کے پاس تھی۔ اُس نے کملا کے قتل کی خبر سنی اور بدحواس ہو گئی۔ پھر جب معلوم ہوا کہ کوئی اس کا پرس بھی اڑالے گیا تو سمجھی کہ اب اس کی موت بھی یقینی ہے۔ پرس کسی رازدار کو زندہ کیوں رہنے دے گا۔ دہشت کی وجہ سے دماغ کی رگیں پھٹ گئیں۔۔۔۔۔ اُس وقت تک وہ دونوں چھپی رہی تھیں اور انہیں یقین تھا کہ پرس برطانوی عملداری میں اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔۔۔۔۔!“

”تصور اتنے دنوں تک کیوں بیکار پڑی رہی۔۔۔۔۔ انہوں نے اُسے پرس کے خلاف کیوں نہیں استعمال کیا؟“

”غالباً۔۔۔۔۔ اس کی وجہ بھی خوف ہی تھا۔ پھر بھی انہیں اُمید رہی ہوگی کہ کبھی نہ کبھی اُسے استعمال کرنے کا موقع ضرور ہاتھ آئے گا۔“

”ٹھہریئے۔۔۔۔۔ اب مجھے غصہ آرہا ہے۔۔۔۔۔ آپ نے آخر خضران کی حیثیت چھپائی کیوں تھی۔ مجھ سے اس بُری طرح کیوں پیش آئے تھے۔۔۔۔۔ خدا کی پناہ آج بھی اُس گرفت کے تصور ہی سے گردن کی رگیں پھٹنے لگی ہیں۔“

فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اگر ایسا نہ کرتا تو تمہاری اور جگدیش کی کہانیوں میں زور کہاں سے پیدا ہوتا۔“

کبھی نہیں آئی تھی۔۔۔۔۔ بہت بڑا مجرم ہاتھ آنے والا تھا۔۔۔۔۔ لیکن کون یقین کرتا۔۔۔۔۔ بہت آسانی سے کہا جاسکتا تھا کہ وہ کیرہ ٹرک ہے۔۔۔۔۔ تم نے بھی چھوٹتے ہی کہا تھا۔۔۔۔۔ میں ریزنڈنٹ سے ملا۔ شاید ملاقات نہ ہوتی لیکن میرے پیغام میں مس ولہام کا حوالہ بھی شامل تھا۔۔۔۔۔ پہلے ریزنڈنٹ نے اس پر یقین کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن جب تصویر دیکھی تو دم بخود رہ جانا پڑا۔۔۔۔۔ لیکن کیرہ ٹرک کا تصور اُس کے ذہن میں بھی ابھر اٹھا۔ اس دشواری کی بناء پر مجھے بلیک میلر بھی بننا پڑا۔۔۔۔۔ تم رنگے ہاتھوں پکڑے گئے۔ وہ تصویر یقیناً بہت اہم ہو سکتی ہے جس کے لئے رتن پور کا دالی بھیس بدل کر دس لاکھ روپے دبائے ہوئے کہیں دوڑا جائے!“

”تمہارا فراڈ ساتھی مجھے یہ کہہ کر ساتھ لایا تھا کہ اُس کے ذریعے پر آٹھ بہت ہی خوبصورت مصری لڑکیاں ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ میں خوبصورت لڑکیوں کے لئے جہنم میں بھی چھلانگ لگا سکتا ہوں۔۔۔۔۔“ پرس نے سنبھالا لیا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ تم نے فریدی اور خضران کے چلنے کیوں جاری کرائے تھے روزا کو کیوں پکڑ بلوایا تھا۔ دیکھو احمق۔۔۔۔۔ میں نے اُس رات تمہارے محل میں جو ہڑ بونگ بچائی تھی اس کا مقصد یہ جتنا نہیں تھا کہ میں ہنر والی کا شوہر یا نازن کا والد بزرگوار ہوں۔۔۔۔۔ میں یہ چاہتا تھا کہ میرے خلاف تمہاری کاروائیاں سرکاری نوعیت اختیار کر لیں۔۔۔۔۔ تمہارے پرائیویٹ سرخ بچ والوں تک محدود نہ رہیں۔۔۔۔۔ ظاہر ہے کہ ہم دونوں کو اسٹیٹ میں روکے رکھنے کے لئے ناکہ بندی کرنی پڑتی۔۔۔۔۔ اور یہ کاروائی سرکاری کاغذات پر آتی۔۔۔۔۔ بس میرا کام بن جاتا۔۔۔۔۔ تم کیا جواب دہی کرو گے اس سلسلے میں کہ فریدی اور خضران کے لئے ناکہ بندی کی کیا ضرورت تھی۔۔۔۔۔ ظاہر ہے کہ فریدی ایک سرکاری سراغ رساں ہے اور خضران ایک بلیک میلر۔ حقیقتاً یہ دو الگ شخصیت نہیں تھیں۔۔۔۔۔ اگر معاملہ صرف خضران ہی کا ہوتا تو تم کوئی دوسرا جھوٹ بول سکتے۔۔۔۔۔ لیکن اب بتاؤ۔۔۔۔۔“

پرس کچھ نہ بولا۔

”بتاؤ۔۔۔۔۔ ولہام کی لڑکی کہاں ہے۔۔۔۔۔!“ فریدی کی آواز کسی سانپ کی بھپکار سے مشابہ تھی۔

”میں نہیں جانتا۔۔۔۔۔ سب بکواس ہے۔“

”تراق۔۔۔۔۔!“ فریدی کا ہاتھ پھر اُس کے گال پر پڑا۔۔۔۔۔ کچھ دیر پھر ہنگامہ رہا اور پرس کو پھر

ویسے حمید اس بار تم میرے اس کارنامے میں برابر کے شریک رہے ہو..... تمہارا ذہن غنودگی کا شکار نہیں ہوا..... وقت کی کمی کی بناء پر میں تمہیں پرنس کے متعلق واضح ہدایات نہیں دے سکا تھا لیکن اس کے باوجود بھی تم نے اپنا رول اسی طرح ادا کیا ہے جیسے میں نے چاہا تھا۔
 ”اؤ نہہ.....!“ حمید کا لہجہ بے حد خشک تھا۔ ”بچپن میں میرا باپ بھی میری تعریفوں کے بل باندھ کر مجھ سے گھنٹوں پاؤں دیوایا کرتا تھا..... اس لئے۔“

مالک کی راہ اور قلندر کی اور ہے۔“

فریدی نے سگار سلگا کر دو تین ہلکے ہلکے کش لئے اور دھوئیں کی اُس پتی سی لکیر کو گھورتا رہا جو سلگتے ہوئے سرے سے اُٹھ کر فضا میں لہریے بنا رہی تھی۔ دفعتاً حمید پھر بولا۔ ”لیکن آپ کو کب علم ہوا تھا کہ پیکٹ میں نے ہی رجنی کے بیک سے نکالا تھا اور وہ میری جیب ہی میں موجود ہے۔“
 ”جگدیش کا وہ بے نکا پیغام جو تمہارے نام سے منسوب کیا گیا تھا اس خیال کا باعث بنا..... مجھے یقین تھا کہ تم نے اُس کی بیہوشی کے بعد اس بیک کا جائزہ ضرور لیا ہو گا جس کے لئے وہ اتنی مضطرب تھی اور اُس پر ہاتھ صاف کرنے کا موقع فراہم کرنے کے لئے جگدیش کو میری طرف دوڑا دیا تھا..... گھر واپس آیا تو نصیر سے معلوم ہوا کہ تم نے بھورے رنگ کا ایک پیکٹ اہم کاغذات والی تجوری میں رکھا تھا..... اور پھر شام کو جب جگدیش کے ساتھ کسٹنر کو اڑ جانے لگے تھے تو اُسے تجوری سے نکال کر ساتھ لیتے گئے تھے..... مجھے علم تھا کہ تمہارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جسے تم اتنی اہمیت دیتے۔ لہذا اسی نتیجے پر پہنچنا پڑا کہ وہ وہی چیز ہو سکتی ہے جو تم نے رجنی کے بیک سے برآمد کی ہوگی۔ بس ایک اسکیم سوچھی..... اور پھر عمل میں بھی لائی گئی..... ہم خسارے میں نہیں رہے۔“

”مگر اب اس مردود کا کیا ہو گا.....“ حمید نے پوچھا۔

”معزولی اور بے عزتی۔“ فریدی نے کہا اور پھر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

تمام شد